CIIP
•N73863
•S5551

C11P .N7386x
.S5551
INSTITUTE
OF
ISLAMIC
STUDIES
45778 *
McGILL
UNIVERSITY

سوانح عمری

نظامی گنجوی

میں حضرت مولٰنا نظامی گنجوی کے حالات ہیں اور اُنکے کلام پر تنقید و تبصرہ ہے

مؤلفہ

حضرت شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حسب اجازت

سید ظہور الحسن، قومی پریس دہلی بماہ رمضان

مطبع مجتبائی جدید دہلی میں چھپوا کر شائع کی

مخدرات تیموریہ

بے عیب خاندان شاہی کی مستورات کا عالیشان سلسلہ عصمت و عفت کے پاکیزہ کرشمے جو ہر ایک شجاع اور بہادر قوم کی تاریخ کی جان ہو علم و ہنر کے مکمل اور بے عیب علمی نتائج اور سرزمین کے سب سے سرسبز اور ہرے بھرے باغ کے شگفتہ پھولوں کی مہک جو ایکدفعہ قومی زمین کہلا چکی ہو، شجاعت اور تہور کے حیرت انگیز کرشمے جنہوں نے ساری دنیا کو مسخر کر لیا تھا، ایک عظیم الشان خاندانکی وہ شان و شوکت کی تعجب ناک تصویریں جنکی نظیر چشم فلک نے نہیں دیکھی۔ قیمت رسمی کاغذ مجلد ؏

فہرست بیگمات

امۃ الحبیب یا حمیدہ بانو بیگم، فخر النساء بیگم، عظمت النساء بیگم، آسائش بانو بیگم، آغا بیگی، آرزم بانو بیگم، آرام جان بیگم، ممتاز محل، امۃ الحبیب، قدسیہ بیگم، اعزاز النساء بیگم، اورنگ آبادی محل، دلپذیر بانو بیگم، بی بی دودو، دلرس بانو بیگم، روشن آرا بیگم، روپ متی، رحمت بانو، رضیۃ النساء بیگم، لاڈ ملک، شمرو کی بیگم، رضیہ سلطانہ، بدر النساء بیگم، جاناں بیگم، جانی بیگم، رانی جودہ بائی، حمیدہ بانو بیگم، حاجی بیگم، خانہ زاد بیگم، شہزادہ خانم، نواب قدسیہ بیگم، ثریا بانو بیگم، جہاں آرا، رانی پاربتی، رانی تارا بائی، تلسی بائی، بی بی بائی، زینت النساء بیگم، زبدۃ النساء بیگم، بادشاہ بیگم، سلطان بیگم، حلیمہ سلطان بیگم، سلیمہ بانو بیگم، جمیلہ خاتون، موتی بیگم، اشرف النساء بیگم، آئی بیگم، بخت النساء بیگم، بہار بانو بیگم، بائی اودے پوری، بائی بھوت ولی، بجنی بیگم، بیگم سلطانہ، زیب النساء بیگم ؛

سفرنامۂ ہستی یعنی نیرنگی دنیا مولفہ مولانا مولوی عبد الحلیم صاحب شررؔ مرحوم لکھنوی، انسان کو جسقدر مراحل زندگی ہر حصہ عمر میں پیش آتے ہیں انکو اس خوبی سے ادا کیا ہو کہ بے اختیار آنسو ٹپک پڑتے ہیں اور دنیا ایک عبرتکدہ معلوم ہوتی ہے، یہ مولانا شررؔ ہی کا حصہ تھا کہ ہر بیان بے مثل اور ہر خیال بے نظیر گویا انشاپردازی اور سچے واقعات کی روح ہے، قیمت عہ **فہرست مضامین**، بچپن، جوانی، جوش جوانی، کسی کی یاد، خیال، خیال یار، انتظار، آج، کل، تمنا، نیرنگی دنیا، آرزو، سعی بے حاصل، فکر، چاندنی رات، افسردہ دلی، غرور حسن، رعنائی، شام غربت، صحبت، نہیں، سادگی، نگاہ شوق، خودنمائی، رقیب، شب فراق، آہ پر تاثیر، آہ، حسن و عشق، کامیابی، انجام، مرور انجام، صحبت دوشین، صبح، شہر کی رات، امید، دنیا بہ امید قائم، مرد چوں پیر شود حرص جوان میگرد، زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز، سواد وطن، بزم قدرت، تغیرات عالم، اُداسی، عمر رفتہ، دم واپسیں ؛

بستان التفاسیر ترجمہ اردو تفسیر فتح العزیز پارہ تبارک الذی، مصنفہ عمدۃ المحدثین زبدۃ المفسرین امام العلماء قدوۃ الفضلا حضرت مولینا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی، ایسے شخص کی تصنیف کی کیا کوئی تعریف ... انکا نام کافی ہو گیارہ بڑی بڑی سورتونکی تفسیر ہے، مع احادیث کے، لڑکیوں اور عورتوں کے واسطے اس ... ہے۔ صفحات ۴۰۰ سے زائد، قیمت عہ مجلد ؛

Cuf
M73062
55551

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظامی

الیاس یوسف نام، ابو محمد کنیت، نظام الدین لقب، نظامی تخلص باپ کا نام موید تھا وطن عام طور پر گنجہ مشہور ہے، لیکن دراصل قم کے رہنے والے تھے، چنانچہ خود سکندر نامہ میں فرماتے ہیں،

چو در گرچہ در بحر گنجہ گم | ولے از قہستان شہر قمم

قم کے اضلاع میں تفرش ایک ضلع ہے اصل وطن یہاں تھا لیکن چونکہ قم صدر مقام ہے اس لئے انتساب میں تفرش کے بجائے قم کا نام لیتے ہیں، نظامی کے والد بزرگوار وطن چھوڑ کر گنجہ میں آئے، نظامی[1] یہیں پیدا ہوئے سال ولادت کسی نے بیان نہیں کیا لیکن چونکہ بروایت صحیح سن وفات ۵۹۶ھ ہے اور انکی عمر عموماً ۶۳ برس کی بیان کی جاتی ہے اسلئے سال ولادت ۵۳۳ھ سمجھنا چاہیئے؛ نظامی کا خاندان علمی خاندان تھا انکے بھائی قوامی مطرزی مشہور شاعر ہیں انکا ایک قصیدہ ہے جسمیں تمام صنائع شاعری جمع کردیئے ہیں۔ نظامی نے ابتدا میں درسی علوم کی تحصیل کی، انکے کلام سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ علمی مسائل انکے پیش نظر ہیں خود بھی دعوی کرتے ہیں۔

ہرچہ ہست از دقیقہائے نجوم، | با یکایک نہفتہائے علوم،

خواندم و سر ہر ورق جستم | چون ترا یافتم ورق شستم

سلسلۂ طریقت میں داخی فرج زنجانی سے بیعت تھی، نظامی اگرچہ درویشانہ طبیعت رکھتے تھے لیکن شاعری ازل ہی سے ساتھ لائے تھے گھر میں پہلے سے شاعری کا چرچا تھا اسلئے درسی علوم سے فارغ ہوکر تصنیف کا قلم ہاتھ میں لیا تو حریف موزوں نکلے مشق روز بروز بڑھتی گئی اور کلام کی شہرہ دور دور پہنچا یہانتک کہ اس زمانہ کے تمام بڑے بڑے سلاطین نے انکی قدردانی کو لازمۂ سلطنت سمجھا اور فرمائش کرکے انسے اپنے نام پر کتابیں لکھوائیں اسباب ایسے مقتضی تھے کہ سب سے پہلے فرہی ابری

[1] یہ ابن رازی اور لطف علی آذر کی تحقیق ہے لیکن سکندر نامہ کے جس شعر سے ابن رازی نے استدلال کیا ہے وہ موجودہ نسخوں میں مذکور نہیں، تفرش کی مزید تفصیل، اور نظامی کی جائے ولادت لطف علی آذر سے ماخوذ ہے،

45778

تعلق پیدا ہوتا لیکن یہ سعادت دور والونکی قسمت میں لکھی تھی سب سے پہلے جسکو یہ عزت نصیب ہوئی وہ بہرام شاہ تھا، نظامی نے مخزن اسرار ۵۵۹ھ میں اسی کے نام پر لکھی، اور صلہ میں اُسنے پانچہزار اشرفیاں ایک قطار شتر، اور انواع واقسام کے بیش قیمت کپڑے بھیجے، مخزن کی تصنیف کیوقت نظامی کا سن تقریباً ۲۰ برس کا تھا،

نظامی کا وطن گنجہ، سلجوقیون کی حدود حکومت میں واقع تھا، اور اُس زمانے میں اس سلسلہ میں سلطان طغرل بن ارسلان فرمانروا تھا، وہ نہایت دلیر، شجاع اور عدل پرور بادشاہ تھا، علم وفضل میں بھی کمال رکھتا تھا، شعر وشاعری کا بھی مذاق تھا، چنانچہ یہ رباعی اس کی مشہور ہے،

دی روز چنان وصال جان افروزی ۔۔۔ وامروز چنان فراق عالم سوزی
حیف است کہ در دفتر عمرم ایام ، ، ۔۔۔ آن را روزے نویسد این را روزی ،

طغرل نے سلطنت کا تمام کاروبار اتابک محمد بن ایلدکز کے ہاتھ میں دیدیا تھا، جو ابتدا میں غلام تھا، اور ترقی کرتے کرتے امیر الامرا کے منصب پر پہنچ گیا تھا، محمد بن ایلدکز کا بھائی، قزل ارسلان جس کی مدح میں ظہیر فاریابی کا یہ شعر مشہور ہے،

نہ کرسی فلک نہد، اندیشہ زیر پائے ۔۔۔ تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان دہد

کاروبار سلطنت میں برابر کا شریک تھا،

اس زمانہ میں نظامی نے شیرین خسرو لکھنی شروع کی تھی، کتاب کا ابھی آغاز تھا، کہ اس کے چرچے دور دور پھیل گئے، طغرل کو خبر ہوئی، اُسی وقت فرمان بھیجا کہ کتاب لکھیے کہ یادگار رہ جائے، چنانچہ دیباچہ میں لکھتے ہیں،

چو سلطان جہان شاہ جوان بخت، ۔۔۔ کہ برخوردار باد از تاج و از تخت ، ،
بہ سلطانی بہ تاج وتخت پیوست، ۔۔۔ بجای ارسلان بر تخت بنشست،
من این گنجینہ را در می کشادم ، ، ۔۔۔ بنای این عمارت می نہادم،

لہ سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے منکوجک غازی کو جو قائم بامر اللہ کا معتمد نظر تھا، ارزنجان اور کماخ وغیرہ کے علاقہ کا حاکم مقرر کیا تھا، اس کے خاندان میں سے بہرام شاہ نے بہت جاہ وجلال حاصل کیا، یہان تک کہ سلطان قلیج ارسلان سلجوقی بادشاہ روم نے اسکو اپنی لڑکی بیاہ دی، بہرام شاہ نہایت فیاض اور بلند ہمت تہا، یہی بہرام نظامی کا ممدوح ہے جس کے نام پر اُنہوں نے مخزن الاسرار لکھی، (از ہفت اقلیم امین رازی) کہ حبیب السیر،

اشارت رفتگے ازدرگاہ معمور ... بہ شغل بندہ الفاکردمنشور ،
کزندیستان تحفۂ عالی بسازد ، ... کہ عقل ازمنتش گردن فرازد ، ،

جس زمانہ میں نظامی یہ مثنوی لکھہ رہے تھے، ان کے ایک دوست جو مذہب میں نہایت تعصب رکھتے تھے، ان کے پاس آئے اور نہایت ناراضی کے لہجہ میں کہا کہ کافروں کے جھوٹ سچ قصے لکھنے سے کیا فایدہ

فسون مغ پرستان بفگن ازمشت ... فسوں خوانی مکن بزندزردشت ،
درتوحید زن کاوازہ داری : ، ... چرارسم مغاں راتازہ داری ،

لیکن نظامی نے جب مثنوی کے چند اشعار پڑھ کر سنائے، تو انھوں نے بیساختہ کہا،

چنیں سحرے تو دانی ساز کردن ... بتے باکعبۂ انباز کردن ، ،

شیریں خسرو جب انجام کو پہنچی تو محمد بن ایلدگز جو درحقیقت تاج وتخت کا مالک تھا، وفات کرچکا تھا اور اُس کا بھائی قزل ارسلان اس کا قائم مقام مقرر ہوا تھا، اُس کو شیریں خسرو کے تمام ہونے کی خبر پہونچی تو نظامی کی طلبی کا فرمان بھیجا، قاصد فرمان لے کر آیا، نظامی نے آداب شاہی کے مطابق فرمان کو پہلے سر پر رکھا، پھر تین جگہ بوسہ دیکر کھولا، چنانچہ شیریں خسرو کے خاتمہ میں خود فرماتے ہیں،

مثال شاہ رابر سر نہادم ... سہ جابوسیدم وسر برکشادم ،

اُسی وقت گھوڑے پر سوار ہوئے، اور دشت بیابان طے کرتے ہوئے قریباً ایک مہینہ میں پایۂ تخت میں پہنچے، قاصد نے جاکر دربار میں اطلاع کی، قزل ارسلان نے شمس الدین محمد کو حکم دیا، کہ خود جاکر ان کو ساتھ لائے، دربار میں پہونچے تو دیکھا کہ مجلس عیش آراستہ ہے، ساز چھڑ رہے ہیں، گانا ہو رہا ہی، بادہ و جام کا دور چل رہا ہے، قزل ارسلان نے فوراً ان کے ادب سے گانا بجانا بند کرادیا اور تخت سے اٹھ کر تعظیم بجالایا۔ پھر بیٹھنے کا اشارہ کیا، ہر طرح کی باتیں ہوتی رہیں بیچ بیچ میں بزرگانہ نصیحتیں بھی کرتے جاتے تھے، مدحیہ نظم لکھہ کر لے گئے تھے، اُسکو سُنانا چاہا قاعدہ یہ تھا۔ کہ شعراء اپنا کلام خود نہیں پڑتے تھے، بلکہ کسی خوش لہجہ سے پڑھواتے تھے۔ جو ہمیشہ اُن کے ساتھ رہتا تھا اور اُسکو راوی کہتے تھے چنانچہ راوی نے قصیدہ پڑھنا شروع کیا یہ بھی دستور تھا کہ جب قصیدہ پڑھا جاتا تھا تو شاعر کھڑا ہوجاتا تھا۔ اور قصیدہ کے ختم ہونے تک کھڑا رہتا تھا، نظامی نے بھی اس قاعدے کو بجالانا چاہا لیکن قزل ارسلان نے قسم دلاکر منع کیا،

چو برپا ایستادم گفت بنشین ... بسوگندم نشاند این منزلت بین

راوی نے مدح کے بعد شیرین خسرو، کا قصہ شروع کیا، بادشاہ نظامی کے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے نہایت شوق میں سن رہا تہا، اور بار بار بیساختہ تحسین کرتا جاتا تھا نظامی کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ آپ نے ہمیشہ کے لیئے میرا نام زندہ کر دیا، اس کا صلہ دینا میرا فرض ہے، پھر پوچھا کہ بھائی صاحب (اتابک پہلوان محمد بن ایلدگز) نے آپ کی جاگیر میں جو دو گاؤن دیئے تھے وہ آپ کو ملے یا نہیں، اُنہوں نے کہا،

بلے شاہ سعید از خاص خویشم ہذیرفت انچہ فرمودی زپیشم

چو رخت عمر او کشتی روان کرد مرا نے جملہ عالم را زیان کرد،

قزل ارسلان نے ایک گاؤن جس کا نام حمدونیان تھا اپنی طرف سے جاگیر میں دیا[1]،
معلوم نہیں، جان کر یا غلطی سے، گاؤن جو جاگیر میں دیا گیا وہ غیر آباد اور بنجر تھا چنانچہ نظامی نے شیرین خسرو میں اس کی شکایت اس تقریب سے کی ہے کہ حاسدون نے مجکو طعنہ دیا میں نے جواب میں کہا کہ غیر آباد ہے تو کیا، بادشاہ کا عدل اس کو آباد کر دے گا،

نظامی کی شہرت اب اس قدر عالمگیر ہو گئی تھی کہ اور سلاطین کو بھی آرزو ہوئی کہ ان سے اپنے نام پر تصنیفات لکھوائیں کہ اس ذریعہ سے اُن کا نام بھی یادگار رہ جائے۔ ان میں علم و فضل کی قدر دانی کے لحاظ سے سب سے ممتاز منوچہر خاقان کبیر جلال الدنیا والدین شاہ اخستان تھا، جو سلاطین شروانیہ کے سلسلہ کا درۃ التاج تھا، یہ خاندان خالص ایرانی نسل یعنی بہرام چوبین کی یادگار تھا، منوچہر نہایت علم دوست اور علم پرور تہا خاقانی ابوالعلا گنجوی (استاد خاقانی) ذوالفقار شروانی، شاہفور وغیرہ شعرا اسی کے خوان کرم کے زلہ خوار تھے، ابوالعلا گنجوی اُسی کے دربار کا ملک الشعرا تھا، اور خاقانی کو افضل الشعرار کا خطاب اسی نے عنایت کیا منوچہر نے اپنے ہاتھ سے نظامی کو دس پندرہ سطرون کا خط لکھ کر بھیجا کہ لیلی مجنون کی داستان نظم کیجئے چنانچہ دیباچہ میں خود کہتے ہیں،

درحال رسید، قاصد از راہ آورد مثال حضرت شاہ

بنبشتہ بہ خط خوب خویشم، وہ پانزدہ سطر نغز بیشم،

کای محرم حلقۂ غلامی، جادو سخن جہان نظامی

خواہم کہ بہ یاد عشق مجنون گوئی سخنے چو دُر مکنون،

[1] یہ تمام حالات تفصیل کے ساتھ خود نظامی نے شیرین خسرو کے خاتمہ میں لکھے ہیں۔

خط پہنچا تو نظامی کو تردد ہوا، اتفاق سے اُن کے صاحبزادے محمد جنکی عمر اِس وقت ۱۴ برس کی تھی، اُس وقت موجود تھے، اُنہوں نے بھی تحریک کی، نظامی نے کہا جان پدر قصہ کی شہرت میں کلام نہیں، لیکن جہان کی سرگذشت ہے وہاں دلچسپی کا کوئی سامان نہیں، باغ و بہار، چشمہ و سبزہ زار، رقص و سرود، شاہی درو دربار، خیل و حشم جاہ و جلال، کسی چیز کا پتہ نہیں، خشک ریگ زار اور کوہستان میں کیا صنعت گری دکھاؤں گا،

نے باغ و نہ بزم شہریاری — نے رود و نہ می نہ کامگاری ،
بر خشکی ریگ و سختے کوہ ،، — تا چند سخن رود در اندوہ

یہی بھید ہے کہ آج تک کسی نے اس قصہ کو ہاتھ نہیں لگایا، صاحبزادے نے کہا یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایسا موثر اور عجیب و غریب واقعہ، نظم کی آرایش سے محروم رہ جائے، غرض نظامی نے بادشاہی ارشاد کی تعمیل شروع کی اور کچھ کم چار مہینے میں انجام پہنچائی، سال اتمام رجب ۵۸۴ھ ہے

من گفتم و دل جواب می داد ، — خارہ زدم ، و چشمہ آب می داد
این چار ہزار بیت و اکثر ، — گفتم بہ چہار ماہ کمتر ،،
گر شغل دگر حرام بودے ، — در چاردہ شب تمام بودے
تاریخ عیان کہ داشت باخود — ہشتاد و چہار (۵۸۴ھ) بود و پان صد

نظامی نے اس مثنوی کے صلہ میں بادشاہ سے یہ خواہش کی کہ اُنکے صاحبزادے ولیعہد سلطنت کے ندیموں اور مصاحبوں میں داخل کیے جائیں۔

۱۴ رمضان ۵۹۲ھ میں سلطان غیاث الدین کرپ[1] ارسلان علاء الدین آقسنقری کی فرمایش سے ہفت پیکر لکھی، جس میں بہرام گور کا قصہ ہے،

قزل ارسلان کے مرنے کے بعد، اس کا بھتیجا یعنی محمد بن ایلدگز کا فرزند ارجمند ابو بکر نصرۃ الدین، ۵۸۷ھ میں مسند آرا ہوا۔ نظامی کو اس خاندان سے قدیم تعلق تھا، اس وقت تک انہوں نے جو کتابیں لکھی تھیں، سلاطین وقت کی ..... فرمائش سے لکھی تھی لیکن سکندرنامہ اپنی خواہش سے اور ابو بکر نصرۃ الدین کے نام سے موسوم کیا، یہ کتاب ۵۹۹ھ میں انجام کو پہنچی، چنانچہ خود سکندر،

---

[1] اس کا حال نہ معلوم ہو سکا ۱۲

نامۂ بحری کے خاتمہ میں لکھتے ہیں۔

بہ پایان شد این داستانی دری | بہ فیروز فالی و نیک اختری
ز ہجرت چنان بر دہم یادگار، | نود و نہ گزشتہ ز پانصد شمار

کتاب لکھہ کر بادشاہ کے حضور میں پیش کی تو مقررہ رقم کے علاوہ سواری کا گھوڑا بیش،، قیمت کپڑے خلعت وغیرہ عطا ہوا۔

اساتذہ سے میں نے سنا ہے کہ سلاطین وقت نظامی کی اس قدر عزت کرتے تھے کہ ایک بادشاہ نے اپنی لڑکی، ان کے بیٹے سے بیاہ دی تھی، میں نے کسی کتاب میں یہ واقعہ نہیں دیکھا۔ لیکن سکندر نامہ بحری کے خاتمہ سے اس قدر بتصریح ثابت ہوتا ہے کہ نظامی نے اپنی صاحبزادی اور اپنے فرزند محمد کو، نصرۃ الدین کی خدمت میں بھیجا تھا، چنانچہ کہتے ہیں،

دو گوہر برآمد ز دریائے من، | فروزندہ از روی شان رائے من
یکے عصمت مریمی یافتہ، | یکے نور عیسیٰ بر وتافتہ،،،
فرستادم ہر دو را نزد شاہ | کہ یاقوت را درج دارد نگاہ،
عروسے کہ دور او ز مادر بود،،، | بہ از پردہ دارش برادر بود،،،
بیابا برچو آید. بر شہریار، | چنین پردگی را چنان پردہ دار
چو من نزل خاص تو جان دادہ ام | جگر ریزہ با جان فرستادہ ام

اخیر شعر سے صاف یہ راز کھل جاتا ہے،

اس کتاب کے تصنیف کے وقت اُن کی عمر ۶۳ برس کی تھی، چنانچہ جہان اور حکماء کے مرنے کا الگ الگ عنوان قائم کیا ہے اپنے نام کی بھی سُرخی قائم کی ہے اُس کے ذیل میں لکھتے ہیں،

نظامی چو این داستان شد تمام | بہ عزم شدن تیز برداشت گام
فزون بود شش مہ ز شصت وسہ سال | کہ بر عزم رہ بر دہل زد دوال،،

(۱) سکندر نامہ بحری کے خاتمہ میں یہ تصریح ہے لیکن تعجب ہے کہ نقد رقم صرف ہزار لکھی ہے اگر یہ ہزار دینا بھی فرض کر لئے جائیں۔ تب بھی ایسی رقم ہے جو نہ نظامی کے شایان ہے نہ ایک مشرقی بادشاہ کے چہرے پر کھلتی ہے،

اِس کتاب پر اُن کی شاعری اور عمر دونوں کا خاتمہ ہوا، سال وفات میں سخت اختلاف، ہے، دولت شاہی میں ۵۹۶ھ لکھا ہے، لیکن یہ خود نظامی کی تصریح کے خلاف ہے، تقی کاشی نے ۶۰۶ھ لکھا ہے، جامی ۵۹۲ھ بیان کرتا ہے، لیکن اسقدر قطعی ہے کہ ۵۹۹ھ کے بعد اُنکی وفات ہوئی ہے، اور غالباً چھٹی صدی سے آگے نہیں بڑھے،

چونکہ اُنہوں نے تمام عمر گوشۂ عزلت سے قدم نہیں نکالا، نہ لوگوں سے زیادہ ملتے جلتے تھے اسلیے اُنکی زندگی کے حالات و واقعات بہت کم معلوم ہیں، عام تذکرہ نویس، ان کے اس وصف کے نہایت مداح ہیں، کہ وہ بادشاہوں کی خوشامد اور دربارداری سے بالکل پاک تھے، البتہ جو سلاطین اُنکے ساتھ ارادت و اعتقاد کے پاس پیش آتے تھے، اُن پر بزرگانہ عنایت کرتے تھے، لیکن اُنکی کتابوں میں سلاطین کی جو مدحین ہیں۔ اُن میں وہی حد سے زیادہ مبالغہ، خوشامد اور تملق ہے جو عام مداحوں کا انداز ہے اس سے بڑھکر یہ کہ جس بادشاہ کا ذکر کرتے ہیں، اس طرح کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اُنکو اس کے سوا کسی دربار سے تعلق نہیں اور وہ اسکو فرمانروائے عالم سمجھتے ہیں، بے شبہ اُنہوں نے مدحیہ قصائد نہیں لکھے لیکن مثنویوں میں اس زور کی مدحین لکھیں جن کے آگے قصائد کی کوئی ہستی نہیں، ملاحظہ ہو

ولایت ستان شاہ گیتی پناہ	فریدوں کمر بلکہ خاقان کلاہ ،،
ستارہ کہ بر چرخ ساید سرش	زدہ سکۂ عبدُہٗ بردرش،
چو تیر از کمان کمین افگند ،،	سر آسمان بر زمین افگند
فرنگ و فلسطین ورہبان روم ،،	پذیرائے فرمان مہرش چو موم

اس سے زیادہ یہ امر حیرت انگیز ہے کہ بادشاہوں کے سامنے اپنے آپ کو، جس حیثیت سی پیش، کرتے ہیں، وہی ہوتی ہے، جو گدا پیشہ شاعروں کا انداز ہے یعنی حضور کا نمک خوار ہوں، غلام ہوں بندۂ درگاہ ہوں، حضور کی ذرا سی توجہ سے میرے سارے کام بن جائینگے، حضور ہی میری مشکلوں کو حل کر سکتے ہیں۔

کلام پنج گنج کے سوا، نظامی کا اور بہت سا کلام تھا۔ جو آج مفقود ہے، دولت شاہ کا بیان ہی کہ اس میں غزلین، موشحات اور صنائع کے بیس ہزار شعر تھے، تذکروں میں چند قصائد، قطعات اور غزل کے جستہ جستہ اشعار پائے جاتے ہیں، تعجب یہ ہے کہ عشقیہ شاعری کی نقش آرائیاں،

اُنہی کی بدولت وجود میں آئیں۔ لیکن غزلیں پھیکی اور بے مزہ ہیں ملاحظہ ہو،

خوشا جانے کز و جانے بیاسود ۔ نہ درویشے کہ سلطانے بیاسود
نکوئی بر نکو روے بنا دو ، ، ۔ کہ از لبہاش دندانے بیاسود
بہ عمر خود پریشانی مبیناد ۔ دلے کز روے پریشانے بیاسود

مرا گوئی کہ چونی؟ چونم اے دوست ۔ جگر پر درد و دل پر خونم اے دوست،
شنیدم عاشقان را مے نوازی ، ، ۔ مگر من زان میان بیرونم اے دوست
پیش تو کردہ ام عیان حال تباہ خویش را ۔ تا تو نصیحتے کنی چشم سیاہ خویش را،
سرزنشم مکن کہ تو شیفتہ تر ز من شوی ، ۔ گر نگری در آئینہ روے چو ماہ خویش را،

ختنی جمالی اے صنم حبش چہ نام داری ، ، ۔ تو بجز خطے و خالے ز حبش کدام داری،
حبشی منم نہ در تن ہمہ سوخت است خونم ۔ ختنی توئی کہ در بر ہمہ سیم خام داری
حبشی است رنگ مویت، ختنی است رنگ رویت ۔ تو میان این دو کشور بہ کجا مقام داری؟
حبشی سفید نبود ۔ ختنی نمک ندارد ۔ تو بغایت سفیدی نمکے تمام داری؟

اُنہی بوڑھے عمروں میں، کبھی کبھی بڑے شوخ جملے بھی زبان سے نکل جاتے ہیں،

بوسہ می خواہم ازان لب تو چہ می فرمائی ۔ گر صواب است بگو ورنہ خطائے بکنم
میں تجھ سے ایک بوسہ چاہتا ہوں، کہیے کیا رائے ہے؟ ۔ مناسب ہو تو بہتر ورنہ نامناسب ہی کیا جائے

قصیدے بہت ہیں، لیکن ان میں بھی کوئی خاص بات نہیں سنائی کا انداز ہے اخلاق اور تصوف کو ترکیب دیکر کہتے ہیں، لیکن سنائی سے بہت پیچھے ہیں، اس لئے مقبول نہ ہو سکے، البتہ ایک قطعہ نہایت صاف شستہ اور پُرلطف کہا ہے، جس کا آجتک جواب نہ ہو سکا،

دوش رفتم بہ خرابات و مرا راہ نبود ، ۔ می زدم نالہ و فریاد کس از من نشنود
یا نہ بد ہیچ کس از بادہ فروشان بیدار ۔ یا کہ من ہیچ کسم، ہیچ کسم در نگشود
پاسے از شب بگذشت بیشترک، یا کمتر ۔ رندے از غرفہ برون کرد سر و رخ بنمود
گفت خیر است درین وقت کرا میخواہی؟ ۔ بے محل آمدنت بر در ما بہر چہ بود،
گفتمش در بکشا گفت برو ہرزہ مگوی؟ ۔ کاندرین وقت کسے بہر کسے در نگشود

این نہ مسجد کہ بہر لحظہ درش بکشایند کہ تو دیر آئی و اندر صف پیش استی زود،
این خرابات مغان ست درو رندانند شاہد و شمع و شراب و شکر و نای و سرود،
ہر چہ در جملۂ آفاق در اینجا حاضر مومن و برہمن و گبر و نصارا و یہود
گر تو خواہی کہ دم از صحبت ایشان بزنی خاک پای ہمہ شو تا کہ بیابی مقصود

عصمت بخاری اور عرفی نے قوانی بدل کر اس کا جواب لکھا ہے۔ لیکن جواب نہو سکا،
عصمت کا قطعہ یہ ہے،

سرخوش از کوئ خرابات گذر کردم دوش بہ طلب گاری ترسا بچۂ بادہ فروش
پیشم آمد بہ سر کوچہ پری رخسارے کافرے عشوہ گرے زلف چو زنار بدوش،
گفتم این کوی چہ کوی ست ترا خانہ کجا است اے مہ نو خم ابروی ترا حلقہ بگوش
گفت تسبیح بہ خاک افگن و زنار بہ بند سنگ بر شیشۂ تقوی زن و پیمانہ بنوش
بعد ازان پیش من آتا بتو گویم سخنے، راہ بنمایم اگر بر سخنم داری گوش،
دین برافگندہ و مدہوش دویدم در پیش تا رسیدم بہ مقامے کہ دین ماند و نہ ہوش
دیدم از دور گروہے ہمہ دیوانہ و مست، از خم بادۂ عشق آمدہ در جوش و خروش
بے می و مطرب و ساقی ہمہ در عیش و سرود بے می و جام صراحی ہمہ در نوشا نوش
چون سر رشتۂ ناموس برفت از دستم خواستم تا سخنی پرسم ازو گفت خموش
این نہ کعبہ است کہ بے پا و سر آئی بہ طواف وین نہ مسجد کہ چنین بے ادب آئی بخروش
این خرابات مغان است و درو رندانند از دم صبح ازل تا بقیامت مدہوش،

قصیدہ میں ان کی یہ خصوصیت لحاظ کے قابل ہے کہ اگرچہ اُن کو مختلف درباروں سے تعلق تہا اور جسقدر مثنویان لکھیں، سب کسی نہ کسی فرمانروا کے نام پر لکھیں، تاہم قصیدہ کو اُنہوں نے مداحی سے آزاد رکھا، اور یہ بتایا کہ شعر کی اس عمدہ صرف سے اور بھی مفید کام لئے جا سکتے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ ان کے نقش قدم پر کوئی نہ چلا، قصیدے اُس وقت سے آج تک خوشامد کی طرز میں ادا کئے جاتے ہیں،

نظامی کی شاعری

نظامی نے شاعری کو جس طرح ترقی دی اور جو باتیں اُس میں پیدا کیں، اُن کو ہم تفصیل سے لکھنا چاہتے ہیں، لیکن پہلے ان سب کو اجمالاً لکھدینا چاہیئے تاکہ یکجائی طور سے سب باتیں پیش نظر ہوجائیں۔ اُن کی خصوصیات حسب ذیل ہیں،

(۱) جامعیت یعنی شاعری کی ہر صنف کو اُنھوں نے ترقی دی،

(۲) زور کلام،

(۳) بلاغت،

(۴) جدت استعارات اور تشبیہات،

(۵) ایجاد و اختراع اور قوت تخییل،

(۶) اولیات یعنی بہت سی باتیں اول اُنہی نے ایجاد کیں،

ہم ایک ایک کو تفصیل سے لکھتے ہیں،

جامعیت۔ ایران میں جس قدر شعرا گذرے ہیں وہ خاص خاص انواع شاعری میں کمال رکھتے تھے، مثلاً فردوسی رزم کا مرد میدان ہے عشقیہ شاعری میں اسکو کمال نہیں، سعدی اخلاقی اور عشقیہ شاعری کے پیغمبر ہیں، لیکن رزم میں پھیکے ہیں، چنانچہ سکندر نامہ کی طرز پر شاطر اصفہانی جو حکایت بوستان میں لکھی ہے اگرچہ اسمیں اپنا پورا زور صرف کردیا ہے لیکن وہ بوڑھاپن نہیں جاتا۔ ایک مصرع نہایت زور شور کا ہے دوسرے میں دفعةً پست ہوجاتے ہیں خیام صرف فلسفہ لکھ سکتا ہے حافظ صرف غزل لکھ سکتے ہیں، بخلاف اسکے نظامی نے رزم، بزم، فلسفہ عشق، اخلاق سب کچھ لکھا ہے اور جو کچھ لکھا ہی لاجواب لکھا ہے، البتہ مدح اِنسے نہیں بن پڑتی لیکن مدح کوئی شاعری نہیں۔ شاعر بھاٹ نہ ہو تو اس کی شاعری میں کیا نقص ہے،

نظامی کی انواع شاعری پر الگ الگ بحث آگے آتی ہے،

اولیات، نظامی۔ بہت سی باتوں کے موجد ہیں،

مثلاً سب سے پہلے اُنہی نے پانچ مختلف بحروں میں مثنویاں لکھیں جس کی تقلید اسوقت سے

آج تک تمام بڑے بڑے شعرا کرتے آئے ہیں، چنانچہ ان کے خمسہ پر تمام شعرا نے خمسہ لکھا ہے

مخزن اسرار اور ہفت پیکر کی بحر کو اول انہی نے مثنوی میں داخل کیا،

سب سے پہلے انہی نے ایک مثنوی (مخزن اسرار) میں پانچ نعتیں لکھیں اور ہر ایک کا جدا رنگ ہے،

سب سے پہلے انہی نے فلسفیانہ مباحث کو نظم کیا،

سب سے پہلے انہی نے ساقی نامہ کا خاکہ قائم کیا،

سب سے پہلے انہی نے قصیدہ کو مدح سے پاک کیا،

زور کلام نظامی سے پہلے شعرا کا کلام، صفائی، سادگی، شستگی تک محدود رہا تھا اور انہیں چیزوں کے کمال سے شاعری کے کمال کا اندازہ کیا جاتا تھا۔ نظامی پہلے شخص ہیں جس نے ترکیبوں میں چستی اور کلام میں زور، بلندی، اور شان و شوکت پیدا کی عرفی اور ابوالفضل کی نظم و نثر کا زور مشہور ہے مگر دونوں پر نظامی ہی کا اثر ہے یہاں تک کہ طغرا نے کہدیا کہ ابوالفضل نے سکندر نامہ ہی کو لیکر نثر کر دیا ہے،

فردوسی کے زمانہ تک، روزمرہ اور بول چال کی زبان خالص فارسی تھی، چنانچہ مثنویوں کی زبان وہی رہی، البتہ قصائد میں جس سے لفاظی اور علمی قابلیت کا اظہار بھی مقصود ہوتا تھا، عربی الفاظ اور ترکیبیں کثرت سے شامل ہو جاتی تھیں۔ یہانتک کہ علوم عربیت کے گھر گھر پھیل جانے سے روزمرہ کی زبان بھی وہی مخلوط العربیۃ فارسی ہو گئی۔ اب عربی الفاظ کا جدا کرنا، فارسی زبان کا بدمزہ اور بے اثر کر دینا تھا اسلئے نظامی نے اس باب میں فردوسی کی تقلید نہیں کی، بلکہ اسی زبان کو لیا جو ملک اور قوم کی عام زبان تھی، لیکن ان کی نکتہ سنجی یہ ہے کہ عربی اور فارسی کے جو لفظ انکے ہاں آتے ہیں، وہ ہوتے ہیں کہ اس کا ہم معنی کوئی لفظ اس لفظ اور شان و شوکت تمام زبان میں نہیں مل سکتا، یہی بات ہے کہ ان کے کسی مضمون کو، جب کوئی شاعر اپنے لفظوں میں ادا کرنا چاہتا ہے تو وہ شان قائم نہیں رہتی، مثلاً انکا یہ شعر کمند کی تعریف میں ہے،

کمند اژدہائے مسلسل شکنج — دہن باز کردہ بہ تاراج گنج،

سعدی اسی مضمون کو لیکر یوں تصرف کرتے ہیں،

بچسید، شر بران پر خاش ساز   کمند، اژدہا ہائے دہن کردہ باز

دونون کے مضمون اور معنی میں جو فرق ہے اس سے یہان بحث نہین لیکن الفاظ کی ساخت اور ترکیب پر غور کرو، کسقدر فرق ہے، مسلسل، شکنج، تاراج گنج، یہ الفاظ اور ان کی پرزور ترکیب، سعدی کے ہاں کہاں ہے،

فردوسی، سعدی، اور نظامی کے ہان جو مضامین مشترک ہیں، انکا باہم موازنہ کرو، بلاغت سے قطع نظر، الفاظ کی شکوہ و شان اور ترکیبوں کی چستی اور نظم و نسق میں نظامی کا کلام علانیہ ممتاز نظر آئیگا نمونہ کیلئے ہم صرف دو ایک مثالین درج کرتے ہیں،

فردوسی خدا کی ذات اور عالم غیر عنصری کے ادراک کی حد سے خارج ہونے کو اس طرح ادا، کرتا ہے،

نیابد بدو نیز اندیشہ راہ   کہ او برتر از نام و از جایگاہ ،
سخن ہرچہ زین گوہران بگذرد ،   نیابد بدو راہ جان و خرد ،
ازین پردہ برتر سخن گاہ نیست ،   بہ ہستیش، اندیشہ را راہ نیست

نظامی اسی مضمون کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں،

اساسے کہ در آسمان و زمی است   بہ اندازہ فکرت آدمی است،
شود فکر اندازہ را رہنمون ،   سر از حد اندازہ نارد برون ،
بہر پایۂ دست چندان رسد   کہ آن پایہ را کار بہ پایان رسد،
چو پایان پذیرد حد کائنات ،   نماند در اندیشہ دیگر جہات
نبیند رسید اندیشہ افزون ازین ،   کہ ہستی نہ، بلکہ بیرون ازین،

اسی مضمون کے قریب قریب یہ اشعار ہیں،

چنان برکشیدی و بستی نگار ،   کہ بہ زان نیارد خرد در شمار
چنان بستی این طاق نیلوفری   کہ اندیشہ را نیست زو برتری
چنان آفریدی زمین و زمان ،   ہمان گردش انجم و آسمان
کہ چندان کہ اندیشہ گردد بلند   سر خود برون ناورد زین کمند،

شاید تم کو خیال ہو کہ فردوسی کے بہت سے الفاظ اب نامانوس ہیں، نظامی ان کے بجائے متداول الفاظ لاتے ہیں، اس کے سوا، نظامی کو یہ موقع حاصل ہے کہ جہاں فارسی الفاظ سے شان و شکوہ پیدا ہو سکے، وہاں عربی الفاظ سے کام لیں، فردوسی، اپنے التزام کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکتا، لیکن یہ خیال صحیح نہیں، نظامی جہاں خود فردوسی کی بولی بولتے ہیں، وہاں بھی یہ فرق قائم رہتا ہے، عناصر کی ابتدا اور ان کی ترکیب کو دونوں نے لکھا ہے اور خالص سادہ فارسی میں لکھا ہے، فردوسی،

از آغاز باید کہ دانی درست | سرمایۂ گوہران از نخست
یکے آتشے بر شدہ تابناک | میان باد و آب از بر تیرہ خاک،
نخستین کہ آتش ز جنبش دمید، | ز گرمیش پس خشکی آمد پدید،
وزان پس ز آرام سردی نمود، | ز سردی ہمان باز تری فزود،
چون این چار گوہر بجائے آمدند، | ز بہر سپنجی سرائے آمدند،
گہر ہا یک اندر دگر ساختہ، | ز ہر گونہ گردن برافراختہ،

یعنی عناصر (گوہر) کی ابتدا یوں ہوئی کہ پہلے آگ بلندی پر پیدا ہوئی، اس کے پیچھے ہوا، پھر پانی، پھر خاک، آگ حرکت سے پیدا ہوئی، اس کی حرارت کی وجہ سے یبوست پیدا ہوئی پھر سکون کی وجہ سے برودت کا وجود ہوا، برودت نے رطوبت پیدا کی، یہ عناصر باہم ترکیب پا کر عالم بنا، نظامی

ز گشت سپہر آتش آمد پدید، | کہ آتش بہ نیروی گردش دمید
ز نیروے آتش ہوائے کشاد | کہ ہا ہنسدا و گرم دارد نہاد،
بہ بادے گرائیدہ شد گوہرش | کہ گردندگی دور بود از برش
چکیدہ از ہوا تری در مغاک | پدید آمد آبے چنان مغز و پاک،
چو ہر چار گوہر بہ امر خدائے | گرفتند بر مرکز خویش جائے،
مزاج ہمہ در ہم آمیختند | در وزرستنیہا برانگیختند،

ان اشعار میں امر، مرکز، مزاج، کے سوا باقی تمام الفاظ فارسی ہیں، لیکن فردوسی کے الفاظ اور ترکیب الفاظ میں وہ بلندی اور شان نہیں، جو نظامی کے ہاں ہے، گشت سپہر، نیرو، نہاد، گرائیدہ گردندگی، مغاک، نغز، ان الفاظ اور ان کی حسن ترکیب نے جو بات پیدا کی مذاق صحیح اس کا اندازہ

کرسکتا ہے،

اسی مضمون کو ایک اور جگہ لکھا ہے،

نخستین طلسمے کہ پرواختند ... زمین بود ترکیب ازو ساختند
چو نیروے جنبش درو کرد کار، ... بافسردگی زود آمد بکار،،
ازو ہر چہ رخشندہ پاک بود،، ... سزاوار اجرام افلاک بود،
دگر بخشہا کان بلندی نداشت ... بہر مرکزے مایہ می گزاشت،،
یکے بخش ازو آتش روشن است ... کہ بالا زین طاق این گلشن است
دگر بخش ازو باد جنبندہ خواست ... کہ تا او نہ جنبند نداند کجاست
سوم بخش ازو، آب راوق پذیر،، ... کہ ہستش زراوق گری ناگزیر،،

ان اشعار میں اکثر فلسفیانہ اصطلاحات کو عربی کے بجائے فارسی میں ادا کیا ہے، مثلاً

عربی	فارسی	عربی	فارسی
قوت حرکۃ	نیروی جنبش	قسر	افسردگی
نوع	بخش	مادہ	مایہ
متحرک بالطبع	جنبندہ خو	سیال	راوق پذیر

نظامی کے اشعار کا سعدی سے مقابلہ کرو، تو یہ فرق اور واضح ہو جاتا ہے، مثلاً نظامی انقلابات زمانہ اور واقعات عالم کی عبرت انگیزی کو اس طرح ادا کرتے ہیں

فلک بر بلندی، زمین بر مغاک ... یکے طشت خون شد، یکے طشت خاک
نوشتہ برین ہر دو آلودہ طشت، ... زخون سیاوش بسے سرنوشت

سعدی اسی مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہیں،

ز دل تیشہ یک روز بر تل خاک ... بگوش آمدم نالۂ دردناک،،
کہ زنہار اگر مردی آہستہ تر ... کہ چشم و بناگوش و روی است و سر
جوانی شد و زندگانی نماند ... جہان گو ہمان، چون جوانی نماند

عہد شباب کی حسرت کو دونوں نے لکھا ہے نظامی کہتے ہیں،

چو باد خزانی در افتد به باغ، ، نمانند رہا جائے بلبل بزاغ ، ،
بود برگ ریزان چو شاخ بلند دل باغبان زان شود دردمند
بنال اے کہن بلبل سالخورد کہ رخسارۂ سرخ گل گشت زرد
نو تا شد سہی سرو آراستہ، کہ یور شد از باغ برخاستہ،
فرو ماند و ستم ز مے خواستن، گران گشت پایم ز برخاستن
تنم گونۂ لاجودی گرفت ، ، ، گلم سرخی انداخت زردی گرفت
ہیون رونارہ زرہ مانار باز ، ، ، بہ بالین گہ آمد سرم راینباز

سعدی لکھتے ہیں،

چو باد صبا بر گلستان وزد چمیدن درخت جوان راسزد
نہ زیبد مرا با جوان چمید کہ بر عارضم صبح پیری دمید
شمار است نوبت برین خوان نشست کہ ما از تنعم بشستیم دست،
گل سرخ رویم نگر زرتاب فرو رفت چون زرد شد آفتاب
گلستان ما را طراوت گزشت کہ گلدستہ بندد چو پژمردہ گشت

قوت تخییل | شاعری کے تمام نازک اور مشکل مقامات میں انکی جدت اور اختراع عجیب وغریب صنائع عیاں، نظر آتی ہیں قصہ کے خاکے کھینچنے میں ترتیب واقعات میں، تمہیدوں میں، واقعہ نگاری میں، بندش مضامین میں استعارات میں، مبالغوں میں، ہر جگہ نیا انداز نظر آتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ انکی قوت تخییل (آمیزش) کسقدر زوردار اور بڑی وسعت

بادشاہ کی مدح لکھتے ہیں، اور یہ تمہید اُٹھاتے ہیں،

علم برکش اے آفتاب بلند خرامان شو اے ابر مشکین پرند،
بنال اے دل رعد چون کوش شاہ بخندائے لب برق چون صبحگاہ ،
ببار اے ہوا، قطرۂ ناب را بگیر اے صدف دُر کن آن آب را
برآ اے دُر از قعر دریائے خویش بہ تاج سر شاہ کن جائے خویش

قدیم خیال یہ تھا کہ آفتاب کی گرمی سے بخارات پیدا ہوتے ہیں، اس سے بادل پیدا ہوتے ہیں بادل برستا ہے تو سیپ کے منھ میں جو قطرے پڑتے ہیں، موتی بنجاتے ہیں، ان خیالات کی بناپر

نظامی کہتے ہیں،

اُو آفتاب، عَلم اُٹھا، او سیاہ پوش بادل، آہستہ آہستہ چل،

اور نہ نقارۂ شاہی کی طرح کڑک — او بجلی صبح کی طرح ہنس،

اُو ہوا، قطرے برسا، او سیپ قطرہ کو لیکر موتی بنا، اُو موتی، دریا کی تہ میں سے نکل،

اور نکل کر بادشاہ کے تاج پر جگہ لے،

بات اتنی تھی کہ بادشاہ کا تاج جواہر نگار ہے لیکن شاعر کو قوت تخیل کے ذریعہ سے یہی بات اس صورت میں نظر آتی ہے کہ عالم کا تمام کاروبار، صرف بادشاہ کے اوج و شان بڑھانے کے لیئے ہے، اس کی قوت خیالیہ اس سے بھی آگے بڑھتی ہے ممدوح کے بل پر اس کو تمام عالم اپنا محکوم نظر آتا ہے اور وہ تحکمانہ انداز سے آفتاب، بادل، رعد، برق، اور ہوا کو حکم دیتا ہے کہ اپنے اپنے کام انجام دیکر موتی تیار کرو، تاکہ بادشاہ کے تاج پر ٹانکے جائیں۔ اِس کے ساتھ انداز بیان کے زور، الفاظ کی شوکت، بندش کی در و بست کو دیکھو، طلسم کا عالم نظر آتا ہے پھر خیال کرو کہ ایک ایک مختلف حالت کو کس طرح صرف ایک ایک مصرع میں کھپا دیا ہے،

مثال ۲۔ سکندر نامہ میں متعدد جگہ آفتاب کے غروب، اور طلوع کو، بیان واقعہ کی حیثیت سے لکھا ہے، لیکن ہر جگہ ایک نیا پیرایہ قائم کیا ہے، مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں،

چو یاقوت خورشید را دزد برد — بہ یاقوت جستن جہاں پے فشرد

بہ دزدی گرفتند مہتاب را — کہ این برد آں گوہر ناب را،

یعنی جب آفتاب کا یاقوت، چوری گیا تو زمانہ نے یاقوت کے ڈھونڈھنے کے لیئے دوڑ دھوپ شروع کی، آخر چاند کو جا کر پکڑا کہ اُس نے یہ جوہر چرایا ہے، چونکہ آفتاب کے غروب کے بعد، چاند نکلتا ہے، اس لیئے اِس کو چور قرار دیا،

کہ چون آتش روز روشن گزشت — پر از دود شد گنبد تیز گشت

شب از ماہ بربست پیرایہ، ، — شگفتے بود نور در سایہ،

یعنی جب دن کی آگ بجھ گئی تو دھواں اُٹھا (یعنی رات) اور گنبد (آسمان) میں بھر گیا، رات نے چاند کا زیور پہنا لوگوں کو اس پر حیرت ہوئی کہ سایہ میں نور نظر آتا ہے،

دگر روز کین ساقی صبح خیز ــ زری کرد برخاک، یاقوت ریز،،،
(یعنے دہوپ)

چو خورشید برزد سر از گنج نیل، ــ فرو شست گردون قبا را ز نیل
چو در برقع کوه رفت آفتاب ــ سر روز روشن، فرو شد بخواب
شب تیره چون اژدہای سیاه ــ زماہی برآورد سر سوئے ماه،،
سیہ کرد بر شبروان راه را ــ فرو برد چون اژدہا ماه را،،،
سپاه سحر چون علم برکشید ــ جہان، حرف شب را قلم درکشید
چو سلطان شب، چتر بر سر گرفت ــ سواد جہان راه عنبر گرفت،،
ستاره چنان گنج از زر فشاند ــ کہ مہد زمین گاو، بر گنج راند،،
کہ چون شاه چین صبح را بار داد ــ عروس عدن، دُر، بہ دینار داد،،
چو شب در سر آورد کحلے پرند، ــ سر مہ، در آمد بہ مشکین کمند،
(رات — ستاره — آفتاب)

استعارات اور تشبیہات نظامی کی خصوصیات شاعری میں نہایت نمایاں خصوصیات استعارات اور تشبیہات کی جدت ہے استعاره اور تشبیہ اگر صرف حسن کلام اور تفنن طبع کے کام آئے تو وه کوئی بڑی چیز نہیں، لیکن بعض استعارے یا تشبیہات ایسے ہوتے ہیں جن کا اثر اصل مضمون پر پڑتا ہے، یعنی مضمون کا زور بڑھ جاتا ہے، جو بات صفحوں میں ادا ہو سکتی ہے ایک لفظ سے ادا ہو جاتی ہے صورت واقعہ کی تصویر اس طرح سامنے آجاتی ہے کہ کسی اور طرح سے نہیں آسکتی تھی اس قسم کے استعارات اور تشبیہیں اور شعرا کے ہاں بہت کم پائی جاتی ہیں، لیکن نظامی کا کلام ان سے بھرا پڑا ہے مثلاً دارا جب زخم کہا کر گرا ہے اس موقع پر اس واقعہ کو یون ادا کرتے ہیں۔

نسب نامۂ دولت کیقباد ــ ورق بر ورق ہر سوئے بُرد باد،

دارا سلسلہ کیانی کا اخیر فرمانروا تھا، اور اس کے مرنے سے گویا، اس عظیم الشان خاندان کی، تاریخ مٹ گئی، اس مضمون کو تشبیہ نے کس قدر موثر اور بلند کر دیا، دارا کو خاندان کیانی کا نسب نامہ کہا، یعنی جس طرح نسب نامہ میں تمام خاندان کے نام درج ہوتے ہیں، دارا کا وجود گو یا تمام خاندان کا وجود ہے، اور اسکے دیکھنے سے کیقباد، کیخسرو، کیکاؤس سب کی مجموعی عظمت وشوکت،

آنکھوں میں پھر جاتی ہے، پھر اس کے مرنے کو یوں بیان کو کیا کہ نسب نامہ کیانی کا ایک ایک ورق اڑ گیا
اسی مضمون کو ایک اور تشبیہ کے ذریعہ سے ادا کیا ہے،

بہار فریدون و گلزار جم ؛ زباد خزان گشت تاراج غم

سکندر نے جب دارا کی سسکتی لاش کو اپنے زانو پر رکھ لیا ہے، اس موقع پر کہتے ہیں،

شب تیرہ بر روز رخشان نہاد ؛ سر خستہ را بر سر ران نہاد ،،

سکندر نے جب دارا کو گستاخانہ جواب لکھا ہے، تو دارا کہتا ہے،

ازان ابر عاصی چنان ریزم آب ، ؛ کہ نارد دگر دست بر آفتاب ،

اس سرکش بادل کو اس طرح نچوڑوں گا، ؛ کہ پھر آفتاب پر ہاتھ نہ بڑھا سکے ،،،

سکندر نے جب ایک حبشی سردار پر حملہ کیا ہے تو حملہ کی تیزی اور زور کو اس طرح ادا کرتے ہیں

بہ کبک دری چون آید عقاب ؛ چگونہ جہد بر زمین آفتاب،

ازان تیز تر خسرو پیلتن، ؛ بہ تندی در آمد بہ آن اہرمن ،،

آفتاب سورج کو بھی کہتے ہیں اور دھوپ کو بھی اس موقع پر بلاغت کے انداز کو دیکھو، تشبیہ سے ابتدا نہیں کی، بلکہ مخاطب سے کہتے ہیں، کہ تم کو خیال ہے کہ عقاب، چکور پر کیونکر گرتا ہے، دھوپ کسطرح زمین پر فوراً چھا جاتی ہے؟ اس سے مقصد یہ ہے کہ پہلے مخاطب کے ذہن میں اچھی طرح یہ سماں قائم ہو جائے، پھر کہتے ہیں اُس سے بھی زیادہ تیزی اور زور کے ساتھ سکندر نے اس زنگی پر حملہ کیا" حملہ کی خاص حالت سے قطع نظر کر کے سکندر کو آفتاب اور حریف کو زمین سے تشبیہ دینا یوں بھی موزوں تھا، تشبیہ مرکب نے اس لطف کو اور دوبالا کر دیا ہے،

سکندر نے جب ایک روسی پہلوان پر کمند پھینکی ہے، اس موقع پر کہتے ہیں،

کمند عدو بند را شہریار ،، ؛ بینداخت چون چنبر روزگار ،

کہنا یہ تھا کہ سکندر نے اس طرح کمند پھینکی کہ حریف کسی طرح اس سے بچ نہیں سکتا تھا اس مضمون کو چنبر روزگار کی تشبیہ نے کس قدر پرزور کر دیا،

رسول اللہ صلعم نے جب خسرو پرویز کو خط لکھا ہے تو خط میں عرب کی رسم کے مطابق، اپنا نام خسرو کے نام سے پہلے لکھا ہے، خسرو نے خط کھولا تو چونکہ ایران میں بادشاہ کا نام عموماً

تحریروں میں پیشانی پر لکھا جاتا ہے، رسول اللہ کا نام سرنامہ پر دیکھ کر خسرو سخت جھلا اٹھا اور خط کو پُرزے پُرزے کرکے پھینکدیا، اس موقع کو نظامی نے شیریں خسرو میں جہاں لکھا ہے خسرو کی جھلاہٹ اور برہمی کو اس طرح تشبیہ کے ذریعہ سے ادا کرتے ہیں،

چو عنوان گاہ عالمتاب را دید　　تو گفتی سگ گزیدہ آب را دید ،،

دیوانہ کتا جب کسی کو کاٹ کھاتا ہے تو سگ گزیدہ پانی کو دیکھ کر بڑے زور سے جھجکتا ہے اب تشبیہ کے تمام اجزا پر خیال کرو، رسول اللہ کا خط آب شیریں ہے خسرو نے چونکہ رسول اللہ کے خط سے بے ادبی کی ہے، اس لئے شاعر اس کو سگ نجس سمجھتا ہے فوری اور شدت کی جھلاہٹ سگ گزیدہ کی اس مخصوص حالت سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی، ان سب باتوں کو پیش نظر رکھو، تو نظر آئے گا کہ یہ مضمون جس طرح اس تشبیہ سے ادا ہو سکتا تھا، اور کسی طرح ادا نہیں ہو سکتا تھا،

قدماء اور متاخرین کی خصوصیات جُدا جُدا ہیں اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ گو قدماء کی، متانت، پختگی، جزالت، کے مقابلہ میں متاخرین کا کلام سبک معلوم ہوتا ہے تاہم متاخرین کی بعض بعض خصوصیتیں اس قابل ہیں کہ اُن پر رشک کیا جائے، ان میں ایک تشبیہات کی لطافت اور استعارات کی نزاکت ہے، قدما آس پاس کی چیزوں سے سادہ سادہ تشبیہیں پیدا کرتے تھے استعارے بھی سادے اور سہل الماخذ ہوتے تھے، لیکن متاخرین کے زمانہ میں تمدن بہت ترقی کر گیا تھا اسلئے انسانی احساسات نازک اور لطیف ہو گئے تھے، اس بنا پر اب قدما کی تشبیہیں بے مزہ ہو گئی تعبیر اس کو مادیات کے ذریعہ سے یوں سمجھو کہ جب کسی قوم کا تمدن ابتدائی حالت میں ہوتا ہے تو وہ نہایت تیز اور کرخت خوشبو کو پسند کرتی ہے اور کم درجہ کی خوشبو کو اس کا دماغ اچھی طرح محسوس نہیں کر سکتا یہی سبب ہے کہ عرب مشک اور عنبر اور ہندو تلسی اور نازبو کی خوشبو پسند کرتے تھے لیکن آج چونکہ ہر چیز میں لطافت پیدا ہو گئی ہے مشک اور تلسی کی خوشبو سے بعض وقت دماغ پراگندہ ہو جاتا ہے، اب گلاب اور کیوڑہ کا عطر درکار ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر انگریزی عطر محبوب ہے جو اس قدر لطیف ہوتا ہے کہ عام آدمیوں کو اسکی خوشبو محسوس بھی نہیں ہوتی استعارہ اور تشبیہ کا بھی یہی حال ہے استعارہ اور تشبیہ کی یہ لطافت، متاخرین کا خاصہ ہے، مثلاً قدماء

معشوق کے چہرہ کو آفتاب سے، اور اُس کی ہنسی کو خندۂ صبح سے تشبیہ دیتے تھے، لیکن متاخرین کے مذاق میں ایک اور شاعر کہتا ہے، ع صبح زخورشید رخت خندہ،

یعنی معشوق کا چہرہ ہنسا تو صبح پیدا ہوگئی، یعنی صبح خود معشوق کی ہنسی کا نام ہے،

استعارہ اور تشبیہ کی اِس لطافت اور نزاکت کے موجد قطامی ہیں، اُنہوں نے اِس کثرت سے نازک اور لطیف استعارے اور تشبیہیں پیدا کیں کہ متاخرین میں سے بھی کسی ایک شاعر کے کلام میں نہیں مل سکتیں، چند مثالیں ملاحظہ ہوں،

به باغ شعلہ در، دہقان انگشت | بنفشہ می درود لالہ می کشت،

کہنا یہ تھا کہ انگیٹھی میں آگ جلائی تو دھواں کم ہوجاتا تھا اور آگ بھڑکتی جاتی تھی، اس کو اس طرح ادا کیا کہ انگیٹھی کا دہقان، شعلوں کے باغ میں بنفشہ کاٹتا جاتا تھا، اور لالہ بوتا جاتا تھا۔

درآمد نقشبند، ر مانوی دست، | زمین را نقشہا تے بوسہ می بست

کہنا یہ تھا کہ مصور جب دربار میں آیا، تو آداب دربار کے موافق زمین بوس کرتا آتا اس کو، اس طرح پر ادا کیا کہ مصور بوسوں سے نقش و نگار کرتا آتا تھا،

بہ نوشیدن لب، آن جام را نوش کرد | زلب جام را حلقہ در گوش کرد،

پیالہ پینے کے وقت لب، کی جو ہیئت پیدا ہوتی ہے اس کو حلقہ سے تشبیہ دی ہے، اور اس بنا پر پیالہ کو لب کا حلقہ بگوش قرار دیا ہے،

ہوا بر سبزہ ہا گوہر گسستہ | زمرد را بہ مروارید بستہ،

شبنم کو موتی سے، اور سبزہ کو زمرد سے تشبیہ دی ہے، اس بنا پر کہتا ہے کہ ہوا نے سبزہ پر جو موتی بکھیر دیئے تھے، تو یہ معلوم ہوتا تھا، کہ زمرد میں موتی ٹانک دیئے ہیں،

زگیسو گہ کمر مے کرد و گہ تاج، | بدان تاج و کمر شہ گشتہ محتاج،

معشوقہ جو زلفوں کا کبھی جوڑا باندھتی تھی اور کبھی کمر پر چھوڑ دیتی تھی، اس کو تاج و کمر سے تشبیہ دی ہے

قلم کی تعریف، ع مشک در جیب لعل زد دامان،

عاشق و معشوق کا ہمکنار ہونا،

شبا روز بے دگر خفتند مدہوش | بنفشہ در بر و نسرین در آغوش،

نوشابہ کا جواب دینا،

بہ پاسخ نمودن زن ہوشمند — ز یاقوت سربستہ بکشاد بند

ازان سیمگون سکۂ نوبہار — درم ریز کن برلب جوئبار ۴

آغاز بہار میں جو شگوفے کھلتے ہیں ان کو، بہار کا سکہ قرار دیا ہے،

زبار یدن ابر کافور بار، ۴ — سمن رستہ از دستہائے چنار

یعنے چنار کے پتوں پر جو برف گرتی تھی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ چنار کے ہاتھوں پر چنبیلی کے پھول کھلتے ہیں

سمنبر غافل از نظارۂ شاہ — کہ سنبل بستہ بد بر نرگسش راہ

یہ اسوقت کا بیان ہے کہ شیرین نہا رہی تھی، اور زلفوں کو چہرہ پر چھوڑ دیا گیا تھا شعر کا مطلب یہ ہے کہ شیرین کو خسرو کے نظارے کی خبر نہ تھی، کیونکہ سنبل نے نرگس کا راستہ روک رکھا تھا،

کشادہ طاق ابرو تا سر دوش — کشیدہ طوق غبغب تا بنا گوش،

خواب نرگس خمار دیدۂ او، — ناز نسرین، درم خریدۂ او،

چو برفرق، آب مے انداخت از دست — فلک بر ماہ مروارید می بست،

سمن ساقی و نرگس جام بر دست — بنفشہ درخمار و سرخ گل مست

بنفشہ تاب زلف افگندہ بر دوش — کشادہ باد نسرین را بنا گوش،

گونہ گونہ گلے شگفتہ درد،، — سبزہ بیدار آب خفتہ درد

بعض اوقات تشبیہ سے ہیبت اور عظمت مقصود ہوتی ہے اس قسم کی تشبیہات آج تک کسی نے نظامی سے بڑھکر بلکہ اُن کے برابر بھی نہیں پیدا کیں، مثلاً

کمند اژدہائے مسلسل شکنج، — دہن باز کردہ بہ تاراج گنج ۴

زمین کو لباطے نبد آراستہ — غبارے شد، از جای برخاستہ

دران دجلۂ خون، بلند آفتاب — چو نیلوفر، افگندہ زورق در آب

ز شمشیر برگشتہ جائے نبود — کہ در غار روے اژدہائے نبود

زخم کو غار اور تلوار کو، اژدہا سے تشبیہ دی ہے،

اے مدنی برقع و مکی نقاب، سایہ نشین چند بود آفتاب،
تاج و تخت تو دار د جہان، تخت زمین آمد و تاج آسمان،،

زبس خون کہ گرد آمد اندر مغاک، چو گو گرد سُرخ آتشین گشت خاک
نہنگ خدنگ از کمین کمان، بسا سود بر یک زمین یک زمان

شاعری لطافت اور رنگینی کا ایک بڑا راز یہ ہے کہ بے جان چیزوں کو صاحب ادراک، قرار دے کر اُن کی نسبت ارادی کام منسوب کیے جائیں۔ مثلاً عرفی کہتا ہے،

نہ گفتہ و من بشنودم، ہر آنچہ گفتنی داشت، کہ در بیان نگہش کرد بر زبان تقدیم،
لبش، چو نوبت خویش از نگاہ باز گرفت، فتاد سامعہ در موج کوثر و تسنیم،،

یعنی اُس نے کچھ نہیں کہا لیکن میں نے سن لیا، کیونکہ تقریر کرنے میں اُس کی نگاہوں نے زبان سے پیشدستی کی، جب ہونٹوں نے نگاہ سے اپنی باری مانگی تو سامعہ کوثر کی موجوں میں، ڈوب گیا، یا مثلاً

رہ نیم از نگہ شوق کہ گویدہمہ باز، از زبان، آنچہ دم عرض تمنا ماند،

متاخرین نے اس طرز کو نہایت وسعت دی، اور اس سے نہایت لطیف اور رنگین نئے نئے اسلوب پیدا کیے، لیکن اس طرز کے موجد نظامی ہیں، خسرو میں لکھتے ہیں،

نہان بادشاہی گفت آن بناگوش، کہ مولائے توام، با حلقہ در گوش،
چو سر پیچیدہ گیسو مجلس آراست، چہ رخ گردید گردن عذر با خواست
بگویم غمزہ را تا وقت شبگیر، سمن رش را بر قص آرد بیک تیر
بگویم زلف را تا یک فن آرد،، شکنش را ز مشک در گردن آرد

نظامی کے یہ مضامین، متاخرین کے شمع راہ بنے، جس کی روشنی میں ان گوناگون اسالیب کا سلسلہ بندھ گیا، نظامی نے جب (پہلے شعر میں) بناگوش کی نسبت یہ باندھا کہ اس نے چپکے سے بادشاہ سے کہا تو بے تکلف ایک شاعر اس کو یوں بدلکر کہہ سکتا ہے،

ع زلف از خم شدہ در گوش سخن می گوید،

شعر کے سینکڑوں انواع ہیں، لیکن بڑی قسمیں یہ ہیں، رزمیہ، عشقیہ، فلسفیانہ، اخلاقی،

جذبات انسانی کا اظہار، اور مناظر کی تصویر، ان میں سے ہر نوع کو نظامی نے لیا ہے اور معراج ترقی تک پہنچایا ہے،

سکندر نامہ میں انہوں نے لکھا ہے کہ سکندر کے حالات تین حیثیتیں رکھتے ہیں سلطنت، نبوت، فلسفہ وحکمت میں تین قسم کے حالات لکھوں گا اور تفصیل سے لکھوں گا،

گروہیش خوانند صاحب سریر — ولایت ستان بلکہ آفاق گیر،
گروہے زدیوان دستور او، — بہ حکمت نوشتند منشور او
گروہے زپاکی ودین پروری، — پذیرا شدندش بہ پیغمبری
من ازہر سہ دانہ، کہ دانا فشاند — درختے برومند خواہم نشاند

چنانچہ سکندر نامہ برّی میں، کشورستانی، اور سکندر نامۂ بحری میں، پیغمبری و واقعات اور فلسفیانہ بحثیں ہیں،

فارسی میں فلسفیانہ مسائل ناصر خسرو کے سوا کسی نے ادا نہیں کئے، لیکن ناصر خسرو، نے تمام اصلاحیں وہی عربی کی قائم رکھی ہیں، اس بنا پر عام خیال یہ ہے کہ فارسی میں فلسفیانہ خیالات ادا کرنا چاہیں تو نہیں کرسکتے، بوعلی سینا کی کتاب حکمت علائیہ سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے، لیکن انصاف یہ ہے کہ نظامی نے فلسفیانہ مسائل اس حد تک لکھ دیئے ہیں کہ زبان کی کم مایگی کی شکایت نہیں ہو سکتی، اور اگر متاخرین بھی اس کے نقش قدم پر چلتے تو فارسی زبان ایک فلسفیانہ زبان بن گئی ہوتی،

سکندر نامہ بحری میں انہوں نے ایک خاص داستان سکندر اور حکمای یونان کی فلسفیانہ بحثوں کے متعلق لکھی ہے اس میں ارسطو، افلاطون، والیس، بلیناس، سقراط، فرفوریوس (پار فیریس) ہرمس کے، اقوال اور رائیں لکھی ہیں، ہندوستان کے ایک حکیم نے سکندر سے سوالات کئے تھے، سکندر کی زبان سے اُن کے جوابات لکھے ہیں، ان تمام بحثوں میں فلسفہ کی اصطلاحیں، فارسی میں ادا کی ہیں، عربی الفاظ جا بجا آتے ہیں لیکن اس حد تک کہ زبان نامانوس، اور دساتیر و ژند نہ بنجائے،

ایک ہندو حکیم نے سکندر سے سوال کیا تھا کہ نظر بد کیا چیز ہے؟ آسمان کہاں سے؟ اشعر،

پیدا ہوتی ہے؟ عام قاعدہ یہ ہے کہ کسی چیز کو پسند کیا جائے تو اُس کی ترقی کا سبب ہوتا ہے بخلاف اس کے بدنظر جس چیز کو پسند کرتا ہے، اُسی کو نظر لگتی ہے، سکندر نے جواب دیا کہ انسان جب کسی چیز کو دیکھتا ہے تو آنکھہ سے شعاعین نکل کر اُس چیز پر پڑتی ہیں، شعاع ہوا سے گذر کر اُس چیز تک پہنچتی ہے، اب ہوا میں اگر سمیت ہے تو یہ شعاعین بھی اُس سے آلودہ ہو کر زہریلی ہو جاتی ہیں، اور اُس چیز کو جا کر نقصان پہنچاتی ہیں،

اس سے قطع نظر کرکے کہ سوال و جواب، دونوں طفلانہ ہیں، دیکھو کہ نظامی اِن باتوں کو کن الفاظ میں ادا کرتے ہیں

دگر بار ہندو درآمد بہ گفت — گہر کرد با نوک الماس جفت
کہ بر چشم بد، شاہیئے وہ مرا، — زچشم بد، آگاہیئے وہ مرا
چہ نیر داست در جنبش چشم بد — کہ نیکوی خود را کند چشم زد،
ہمہ چیز را کا زمائش رسید — چو دیدہ پسندد، فرائش رسید
جز او را کہ ہر چہ پسند آورد، — سر و گردنش زیر بند آورد،
بہر حرفتے چون کہ دیدیم ژرف ، — درستی ندیدیم در ہیچ حرف ،
ہمین یک کماندار شد از نخست، — بر آماج گہ تیر او شد درست،
بگوتا چہ بیزدست، بیزدے او *
جہاندار گفتہ کہ طالع مشناس، — چنین آرد از روی معنی قیاس *
کہ بر ہر چہ گردد نظر جانگیر، * — گزر بر ہوائے کند ناگزیر، *
بر آن چیز کار و نظر تاختن — کند با ہوا رای دم ساختن
ببہ چون درآرد بہ آن رخنہ گاہ — ہوا ہم باید بر آن رخنہ راہ ،،
ہوا گر ہوائے بود سود مند — در ارکان آن چیز ناید گزند، *
مزاج او اگر بود زہرناک ،، — ببیند از آن چیز را در مغاک
ہوائے بد ست آن کہ در چشم زد — بد او بہ ہمراہیئے چشم بد ،،

موجودات کی ابتدا، اور اُن کی ترتیب، افلاک، عناصر، سلسلۂ علل ان تمام بحثوں کے

متعلق، یونانی حکمار کی رائیں نقل کی ہیں، اور ان تمام مباحث میں بہت کم عربی کے الفاظ کو دخل دیا ہی،

اخلاقی شاعری نظامی کی شاعری کا بڑا حصہ اخلاق کے متعلق ہے، مخزن اسرار کے سوا جو خاص اسی مضمون پر لکھی ہے، اور مثنویوں میں بھی جا بجا اخلاقی ہدایتیں موقع بموقع لکھی ہیں، چنانچہ کسی صاحب ذوق نے، خاص اس قسم کے اشعار کو ان کے پنج گنج سے چن کر یکجا جمع کر دیا ہے اور اخلاق کے ۲۵ عنوان قرار دے کر ایک ایک عنوان کے نیچے تمام مثنویوں کے وہ اشعار نقل کر دیئے ہیں، جو اس عنوان سے تعلق رکھتے تھے، میں نے اس مجموعہ کا ایک نہایت خوشخط نسخہ، عالمگیری کتب خانے کا حیدرآباد میں دیکھا تھا،

جذبات انسانی شاعری کی اس اہم اور لطیف نوع کو نظامی نے جس رتبہ پر پہنچایا قدما میں فردوسی کے سوا، اس کی نظیر نہیں مل سکتی، اور انصاف یہ ہے کہ فردوسی بھی اس خصوصیت میں اُنکی ہمسری نہیں کر سکتا، فردوسی نے جہاں جذبات کا اظہار کیا ہے معمولی اور سادہ حالت کو ادا کیا ہے، بخلاف اس کے نظامی نہایت نازک، لطیف، اور دقیق پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہیں، مثلاً دارا جب زخمی ہو کر گرا ہے تو سکندر اُس کے پاس گیا ہے اور دارا نے اُس سے حسرت ناک باتیں کہیں ہیں، فردوسی نے اس موقع پر وہی معمولی افسوس و عبرت کے کلمات ادا کر دیئے ہیں، جو ہر شخص کے خیال میں آسکتے ہیں، لیکن نظامی کی نظر ان نازک اور دقیق نکتوں تک پہنچی ہے، جہاں ہر شخص کا وہم سلی نہیں سکتا، دارا کوئی معلوم آدمی نہ تھا بلکہ دنیا کے وسیع خطہ کا شاہ اور شاہنشاہ تھا، شکست کھانے اور خود اپنے نوکروں کے ہاتھ سے زخمی ہو کر مرنیکا اسکو صدمہ ہے اور اس وجہ سے افسوس حسرت اور بیکسی کے خیالات اس کے دلمیں ہجوم کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی شاہنشاہانہ ادعا غرور اور نکمت کا نشہ بھی سر میں ہے، اس لئے اس کے غمزدہ اور عاجزانہ الفاظ بھی صولت اور رعب کے لہجہ میں ادا ہوتے ہیں اس کی آہیں بھی نعرہ جنگ ہیں اُس کی پرحسرت نگاہیں بھی برق غضب ہیں، نظامی اُن تمام خصوصیات کو دکھاتے ہیں،

چو در موکب قلب دارا رسید ۔۔۔ ز موکب روان ہیچ کس را ندید
تن مرزبان دید در خاک و خون، ۔۔۔ کلاہِ کیانی شدہ سرنگون، ،
یبا زوئے بہمن برآسودہ مار، ۔۔۔ ز ردیں دژ افتادہ اسفندیار

بہار فریدون و گلزار جم
زباد خزان گشتہ تاراج غم،

شب نامۂ دولت کیقباد
ورق بر ورق ہر سوئے بردہ باد،

سکندر فرود آمد از پشت بور
در آمد بہ بالین آن پیل زور،

بہ بالین گہ خستہ آمد فراز
ز دیبائے کیانی گرہ کرد باز،،

سر خستہ را بر سر ران نہاد
شب تیرہ بر روز رخشان نہاد

چو دارا بروئیش نگہ کرد و دید،،
بہ سوز جگر آہ از دل کشید،،

چنین داد دارا بہ خسرو جواب
کہ بگذار تا ہر نہم من بہ خواب

رہا کن کہ در من رہائی نماند،
چراغ مرا روشنائی نماند،

سپہرم بدان گونہ پہلو درید،،
کہ شد در جگر پہلوم ناپدید،،

رہا کن کہ خواب خوشم مے برد
زمین آب، و چرخ آتشم مے برد،

سر سروران را رہا کن ز دست
تو مشکن کہ ما را جہان خود شکست

چو من زین ولایت کشادم کمر
تو خواہ افسر از من ستان خواہ سر

اگر تاج خواہی ربود از سرم
یکے لحظہ بگذار تا بگذرم ،،،

مبین سرور اندر سرافگندگی،
چنان شاہ را در چنین بندگی

درین بند رم از زحمت آزاد کن
بہ آمرزش ایزدی یاد کن،،

چو گشت آفتاب مرا روی زرد
نقابے بمن در کش از لاجورد،

نگہدار سر خفتہ را از سریر،
کہ گردون گردان برآرد نفیر،

نوائے پہلوان کامد سوئے من
نگہدار پہلو ز پہلوئے من

کہ با آن کہ پہلو دریدم چو میغ
ہمے آید از پہلوم بوئے تیغ

چہ دستے کہ با مادرازی کنی،
بہ تاج کیان دست بازی کنی

نگہدار دستت کہ دار است این
نہ پنہان چو روز آشکار است این

زمین را مسنم تاج تارک نشین
مجنبان مرا تا نہ جنبد زمین،

اِس واقعہ کو بعینہٖ فردوسی نے بھی لکھا ہے، لیکن زور اور اثر نہیں، چنانچہ اس موقع کے

اشعار ہم درج کرتے ہیں،

برآنم که از پاک دادار خویش   بیابی تو پاداش گفتار خویش
یکے آن که گفتی که ایران تراست   سر تاج و تخت دلیران تراست،
بمن مرگ نزدیک تر زانکه تخت   بپرداخت تخت از نگون گشته بخت
بدین است فرجام چرخ بلند   خرامش همه رنج و سردش گزند
بمه دی نگر تا نگوئی که من ،،   فزونم ازین نامداران انجمن،
بد و نیک، هر روز یزدان شناس   وزو دار تا زنده باشی سپاس
نمودار گفتار من، من بسم   برین داستان عبرت هر کسم
که چندان بزرگی و شاهی و گنج   مرا بود و از من جدا کس برنج
همان نیز چندان سلیح و سپاه   گران مایه اسپان و تخت و کلاه ،
همان نیز فرزند و پیوستگان ،   چو پیوستگان داغ دلخستگان
زمین و زمان بنده بُد پیش من   چنین بود تا تخت بُد خویش من
چو از من همان بخت بیگانه شد   همه کاخ و ایوان چو ویرانه شد
ز نیکی جدا ماده ام زین نشان   گرفتار در دست مردم کشان
ز فرزند و خویشان شده نا اُمید   سیه شد جهان، دیدگانم سفید
ز خویشان کسے نیست فریادرس   امیدم بپروردگار ست و بس
بدین گونه خسته بخاک اندرم ،،   ز گیتی بدام ہلاک اندرم
برین است، آئین چرخ روان   اگر شہریاری اگر پہلوان
بزرگی بعز جام ہم بگزرد ،   شکار است و مرگش ہمی بشکرد ،
سکندر رسیده ببارید خون   بران شاه خسته بخاک اندرون
جو دارا بدید از دل ورداوی ،   سرشک روان بر رُخ زرد اوی
بدو گفت مگری کز سود نیست   ز آتش مرا بہرہ جز دود نیست ،

مناظر | مناظر قدرت کو جا بجا لکھا ہے اور جہاں لکھا ہے نیچر کی تصویر کھینچ دی ہے ،

مناظرِ قدرت میں باغ و بہار ایک عام موضوع ہے جسپر تمام شعرا نے طبع آزمایئاں کی ہیں، اور دادِ سخن دی ہے، لیکن نظامی یہاں بھی سب سے علیحدہ اور سب سے ممتاز ہیں، تمام شعرا نے صرف بہار کا سماں دکھانے پر اکتفا کیا، لیکن نظامی نے اس کے ساتھ یہ بھی دکھایا ہے کہ بہار میں ایک رنگین مزاج پر کسطرح نشہ سا چھا جاتا ہے وہ باغ میں جاتا ہے، پھولوں سے کھیلتا ہے گلدستہ بنا کر درختوں پر اچھالتا ہے، نہر کے کنارے بیٹھ جاتا ہے اور شگوفے توڑ توڑ کر نہر میں بہاتا ہے حوض کے پاس چنبیلی کے پھولونکا بچھونا بچھاتا ہی بغل میں معشوق ہی اسکی کلفونکے حلقے اپنی گردن میں ڈالتا ہی اور دنیا سے آزاد ہو جاتا ہی، مرغانِ چمن سے فرمائش کرتا ہے کہ ہاں پھر اسی انداز سے اڑتا ساتھ ہی ساز بھی چھیڑا جاتا ہے اور قابو سے باہر ہوا جاتا ہے،

بیا باغبان خرمی ساز کن ،، گل آمد در باغ را باز کن ،،
نظامی به باغ آمد از شهر بند بیارای بستان به چینی پرند،
زجعد بنفشه برانگیز تاب ،، سر نرگس مست برکش زخواب
زسیمای سبزه فرو شوی گرد که روشن به شستن شود لاجورد
درختان شگفتند در طرف باغ برافروخته هر گلے چون چراغ
به مرغ زبان بسته آواز ده که پرواز پارینه را ساز ده،
سرا ینده کن ناله چنگ را، برآورد به رقص این دل تنگ را
سر زلف معشوق را طوق ساز برافگن زگردن خود این طوق باز
ریاحین سیراب را دسته بند برافشان به بالائے سرو بلند
ازان سیمگون سکه نوبهار درم ریز کن بر لب جویبار،
به پیراهن برکه اب گیر ،، زسوسن در افگن بساط حریر

عشقیہ | ایران کی شاعری کا اصل مایۂ ناز عشقیہ شاعری ہے، اور اس میں شبہ نہیں کہ عشق و عاشقی کے معاملات اور راز و نیاز، جس رنگینی اور دلفریبی سے ایرانی شاعری نے ادا کیئے، دُنیا کی اور کوئی زبان اِس انداز سے ادا نہیں کر سکتی، اس قسم کی شاعری کیلیے غزل مخصوص کردی گئی ہے اور اس کے موجد شیخ سعدی خیال کئے جاتے ہیں، نام کے لیے غزل کی بنیاد،

لہ یہ نکتہ بھی لحاظ رکھنا چاہیئے کہ نظامی نے ان باتوں کو بجائے خبر کے انشاء کے پیرایہ میں ادا کیا ہے اور یہ زیادہ بلیغ ہے،

ان سے بہت پہلے پڑھ چکی تھی، لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ قدمار کے بوڑھے غمزے ہیں، بے شبہ غزل کے موجد سعدی ہیں، لیکن غزل کی اصلی روح یعنی عشقیہ شاعری کی ایجاد نظامی، کا خاص کارنامہ ہے، عشقیہ مثنویاں، نظامی سے پہلے بھی لکھی گئیں جن میں سے فردوسی کی یوسف زلیخا آج بھی موجود ہے، لیکن مثنویاں وہی قدمار کی غزلیں ہیں، نظامی نے عشقیہ شاعری کی جس طرح بنیاد ڈالی اور اس کو ترقی دی اس کی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) عشق و عاشقی کے خیالات کے ادا کرنے کے لئے ایک خاص زبان درکار ہے جس کے الفاظ، نازک، لطیف اور شیریں ہوں، خاص قسم کے استعارات اور تشبیہیں ہوں، ادا میں دلآویزی اور دلفریبی ہو، یہ زبان خاص نظامی نے پیدا کی ہے، قدمار کی عشقیہ مثنویوں کا نظامی سے مقابلہ کرو تو یہ فرق صاف نظر آتا ہے،

غزل کے مہمات مضامین یہ ہیں معشوق کے حسن کی تعریف، اور ناز غمزہ کے کرشمے، الگ الگ اعضا کا بیان، اور ان کی تشبیہات عاشق و معشوق کے معاملات یعنی راز و نیاز، اصرار و انکار، سوال و جواب، عجز و غرور، وغیرہ ان تمام مضامین کو نظامی نے اس وسعت، تنوع، رنگینی، اور لطافت سے ادا کیا ہے کہ ان کا ہر ہر شعر سینکڑوں غزلوں کا سرمایہ ہے، چند مثالیں ذیل میں درج ہیں،

شیریں کا غسل کرنا،

چو قصد چشمہ کرد آن چشمہ، نور — فلک را آب در چشم آمد از دور
پرند آسمان گون بر میان زد — بشد در آب و آتش در جہان زد
تن صافش کہ می غلطید در آب — چو غلط، قاقمے بر روی سنجاب
چو بر فرق، آب مے انداخت از دست — فلک بر ماہ، مروارید می بست،
ز ہر سو شاخ گیسو، شانہ می کرد — بنفشہ بر سر گل، دانہ می کرد
در آب انداختہ از گیسوان شست — نہ ماہی بلکہ ماہ آوردہ در دست

شیریں آراستہ ہو کر خسرو کے سامنے آتی ہے،

پس آنگہ ماہ را پیرایہ بر بست — نقاب آفتاب از سایہ بر بست

فرد پوشید گلنارے پرندے ‏ ‏ برد ہر شاخ گیسو چون کمندے
سر آغوشے بر آمودہ بگوہر ‏ ‏ بہ رسم چنبیان افگندہ بر سر
بدین طاؤس کردار سے ہمائے ‏ ‏ روان شد چون تذروے در ہوائے

(دوپٹہ)

ایک موقع پر جب خسرو نے شیرین سے زیادہ اختلاط کرنا چاہا ہے تو وہ برہم ہو کر اُٹھی ہے اس حالت میں اُس کا تن کر کھڑا ہونا، پیشانی کا غصّے سے سمٹنا، چہرہ کا چھپانا، بدن ڈھکنے میں حسن کا اور بالوں کو کبھی سمیٹنا اور کبھی چھوڑ دینا ان تمام اداؤں کو کس خوبی سے ادا کیا ہے،

بگفت این وچو سرو از جای برخواست ‏ ‏ جبین را گرد کرد و فرق را راست
یہ کہکر سرو کی طرح اُٹھ کھڑی ہوئی، ‏ ‏ پیشانی سمٹ گئی اور قد تن گیا
بہ آن آیین کہ خوبان را بود دست ‏ ‏ زنخدان می کشاد و زلف می بست
اس خاص انداز سے جسمیں معشوقوں کو کمال ہوتا ہے ‏ ‏ چہرہ کھولنے اور بال سمیٹنے لگی
جمال خویش را در خز و خارا ‏ ‏ بہ پوشیدن ہمے کرد آشکارا
اپنے حسن کو حریر اور کمخواب میں جس قدر ‏ ‏ چھپاتی تھی اُسی قدر اور کھلتا تھا
گہے بر فرق تند آشفتہ می بود ‏ ‏ گرہ می بست و بر مہ مشک می سود
کبھی زلفوں پر جھلاتی تھی، اس میں ‏ ‏ گھونگر بناتی تھی اور چاند پر مشک ملتی تھی
بہ زیور راست کردن دیر می شد ‏ ‏ کہ پایش سر شمشیر می شد،
زیور کے سنبھالنے میں دیر ہوتی جاتی تھی ‏ ‏ کیونکہ جلدی کی وجہ سے اُسکا قدم تلوار پر تھا
ز گیسو گہ کمر سے کرد گہ تاج ‏ ‏ بدان تاج و کمر شہ گشتہ محتاج
زلفوں کو کبھی کمر سے لپیٹتی تھی اور کبھی سر پر جوڑا باندھتی تھی ‏ ‏ جو کمر بند اور تاج بنجاتی تھی اُس کمر بند اور تاج کا خود خسرو بھی محتاج تھا

ایک موقع پر شیرین جب رو کر اُٹھی تو اس ادا سے اُٹھی جسمیں لگاوٹ بھی پائی جاتی تھی، اس کی تصویر اس طرح کھینچی ہے

بہ چشمے ناز بے اندازہ می کرد، ‏ ‏ بہ دیگر چشم عذرے تازہ میکرد
چو سر پیچید گیسو مجلس آراست ‏ ‏ چو رخ گردید، گردن عذر ہا خواست
نمود اندر ہزیمت، شاہ را پشت ‏ ‏ بہ گو گرد سفیدہ آتش ہمی کشت

غلط گفتم نمودش تختۂ عاج ‌‌ ‌ که شہ را نیز بابد، تخت با تاج
حسابے دیگر آن بودش دران کوے ‌ ‌ که پشتم نیز محرابے است چون روے
دگر وجہ آنکہ گر وجہے شد از دست ‌ ‌ ازان روشن ترم وجہے دگر ہست
چہ خوش نازیست نازے خوبرویان ‌ ‌ ز دیدہ راندہ را، وز دیدہ جویان
بہ چشمے خبرگی کردن کہ برخیز ‌ ‌ بہ دیگر چشم دل دادن کہ مگریز

مُنہ پھیر کر بھاگنے کی توجیہیں کسقدر شاعرانہ ہیں، یعنی اُس کو یہ دکھانا تھا۔ کہ جس طرح میرا چہرہ محرابی اور روشن ہے اُسی طرح پیٹھ بھی محرابی اور بلوری ہے،

غزلیہ شاعری کا ایک بڑا میدان معشوق کا ناز و غرور ہے نظامی نے داستان کی داستان اِس مضمون پر لکھی ہے جس کا ہر شعر غزل کا کام دے سکتا ہے،

خسرو نے شیرین کو شاہی اقتدار کا زور دکھانا چاہا ہے تو وہ کہتی ہے،

ہنوزت در سر از شاہی غرور است ‌ ‌ دریغا کین غرور از عشق دور است
ابھی تک تیرے سر میں سلطنت کا غرور ہی ‌ ‌ لیکن افسوس، عشق کو غرور سے کیا نسبت!!
دریں گرمی کہ آہ سرد باید، ‌ ‌ دل آسان است با دل درد باید
اس گرمجوشی میں کہ آہ کی سرد کی ضرورت ہی ‌ ‌ دل آسان ہے لیکن دلمیں درد مشکل ہے
ہنوزم ہندوان آتش پرستند ‌ ‌ ہنوزم چشم چون ترکان مستند
ابھی تک ہندو مجھکو پوجتے ہیں، ، ، ‌ ‌ ابھی تک میری آنکھیں ترک ہیں،
ہنوزم لب پُر آب زندگانی است ‌ ‌ ہنوزم آب در جوی جوانی است
ابھی تک میرے ہونٹوں میں آب حیات ہی ‌ ‌ ابھی تک، میرے چشمہ میں آب شباب ہے
بہ غمزہ گرچہ ترکی دلستانم ۔ ۔ ‌ ‌ بہ بوسہ دل نوازی ہم توانم
اگرچہ غمزہ کے لحاظ سے میں ترک ہوں۔ ‌ ‌ لیکن بوسہ سے دلداری بھی کر سکتی ہوں
برو تا بر نگشایم بخون دست ‌ ‌ کہ در گردن چنین خونم بسے ہست
ہٹ جا!! ایسا نہو کہ میں تیرے اوپر ہاتھ ڈالدوں ‌ ‌ ایسے اور بہت سے خون میری گردن پر ہیں

خسرو نے جب شاپور کے ہاتھ شیرین کو بُلا بھیجا ہے تو وہ یہ کہتی ہے،

اگر خسرو نہ کیخسرو بود شاہ — بنا ید گردنش سرپنجہ باماہ
بگویم غمزہ را تا وقت شبگیر — سمندش را بہ رقص آرد بیک تیر
فرستم زلف را تا یک فن آرد، — شکیبش را رسن در گردن آرد،

میں زلف کو بھیجدونگی کہ چالاکی سے خسرو کے صبر کو گرفتار کرکے لائے۔ ، ،

مزاحی کردم واو خواست پنداشت — دروغی گفتم واو راست پنداشت
میں نے تو دل لگی کی تھی تو وہ تقاضا سمجھے — میں نے جھوٹ کہدیا تھا وہ سچ سمجھ گئے

خسرو ایک مرتبہ چند ندیموں کے ساتھ مستی کی حالت میں شیرین کے مکان پر گیا شیرین نے اس کی یہ حالت دیکھ کر کوٹھے سے اُترنا مناسب نہ سمجھا، خواصوں کو بھیجا کہ شہ نشین میں فرش کرکے وہیں خسرو کو بٹھائیں، خسرو کوٹھے پر جانا چاہتا ہے شیرین منظور نہیں کرتی، اس موقع کا سمان اور سوال وجواب کا انداز دیکھو،

رقیبے را بہ نزد خویشتن خواند، — کہ ما را نازنین بر در چرا ماند،
ایک خواص کو اپنے پاس بلایا اور کہا — کہ مجھکو نازنین نے باہر کیوں بٹھایا
درون شو، گو نہ شاہنشہ غلامی — فرستاد است نزدیکت پیامی،
اندر جاکر کہو کہ ایک شاہنشاہ نے نہیں، بلکہ — ایک غلام نے پیغام بھیجا ہے
کہ مہمانے بہ خدمت مے گراید — چہ فرمائی؟ درآید یا نیاید
کہ ایک مہمان خدمت کے لئے آیا ہے — کیا ارشاد ہے؟ اندر آئے یا نہ آئے
بدین زاری پیام شاہ می گفت — شکرلب می شنید و آہ می گفت

بادشاہ کا عاجزانہ پیغام شیرین سنتی تھی، اور افسوس کرتی تھی ، ، ،

کنیزے کاردان را گفت آن ماہ — بخدمت خیز و بیرون شو سوی شاہ
ایک ہوشیار کنیز سے شیرین نے کہا کہ — بادشاہ کے پاس جا
فلان خرگہ بہ طاق و بیار ابروں بر — بزن بالا طاق این ایوان برابر
مخمل کے تھان لے جا کر — شہ نشین میں بچھا دے
بنہ بر پیشگاہ و شقہ بر بند — پس آنگہ شاہ را گو کاے خداوند
اور پردے باندھ کر — بادشاہ سے کہہ

نہ ترک این سراہندوی این بام | شہنشہ راچنین داد ست پیغام
اِس گھر کی ترک (یعنی معشوق) نے نہیں بلکہ | ہندو (غلام) نے حضور کو یہ پیغام دیا ہے

اس کے بعد، خسرو اور شیرین سے دوبدو گفتگو ہوئی ہے، خسرو کہتا ہے کہ تم نے دروازہ کیون بند کر دیا، شیرین جواب دیتی ہے،

حدیث آن کہ دربستم روا بود | کہ سرمست آمدن پیشم خطا بود
چو من خلوت نشین باشم تو مخمور | زتہمت رائے مردم کے بود دور
تو می خواہی مگر گز راہ دستان | بہ نقلانم خوری چون نقل مستان
بدست آری مراچون غافلان مست | چو گل بوی کنی واندازی از دست
رہا کن نام شیرین ازلب خویش | کہ شیرینی دہانت را کند ریش
تو در عشق من از مالی و جاہے | چہ دیدی جز خداوندی و شاہے
تو ساغر می زدی بادوستان شاد | قلم شاپوری زد تیشہ فرہاد،

اس کے مقابلہ میں رندانہ سنوخیان دیکھو شیرین جب کسی طرح راضی نہیں ہوتی تو خسرو اُس سے کہتا ہے

بہ گستاخی در آمد کے دلارام | گرفتہ چند خواہی بادہ بیدارام
خسرو نے گستاخانہ کہا کہ اے معشوق | یہ برہمی کب تک، ذرا نرم ہو،
چو می خوردی و می دادی بمن یار | چرا باید کہ من مستم تو ہشیار
تم نے شراب پی، اور مجھکو بھی پلائی لیکن یہ خلاف انصاف ہے کہ میں مست ہو جاؤں اور تم ہوش میں رہو،
شمار بوسہ خواہد بود کارم،، | تو می دہ بوسہ تا من می شمارم
میرا کام صرف بوسے کا گننا ہوگا | تم بوسہ دیتی جاؤ میں گنتا جاؤں گا
یعنے یہ کام تمہارا ہی ہے، لیکن میں اس کو تمہاری خاطر سے انجام دیدوں گا،

سکندر نے جب کنیزک چینی سے اختلاط کرنا چاہا ہے تو وہ غرور کے لہجہ میں اپنے اوصاف بیان کرتی ہے، بادشاہ اور کنیز کا کوئی مقابلہ نہیں، لیکن اس موقع پر نظامی نے جدّت آفرینی سے سکندر کا ایک ایک وصف بیان کر کے، اس کے مقابلہ میں اُس کی ترجیح کی وجہین

کینزکی زبان سے ادا کی ہیں،

ملک گرز جمشید بالا تر است ، رُخ من زخورشید زیبا تر است

شہ ار کیقباد بلند افسر است مرا افسر از مشک واز عنبر است

شہ ار چون سلیمان شو و دیو بند مرا در جہان ہست دیو انہ چند

شہ ار زانکہ عالم گرفت ای شگفت من آن را گرفتم کہ عالم گرفت،

اگرچہ کمند جہانگیر شاہ فتادہ است در گردن مہر و ماہ

کمندے من از زلف بر سازمش نہ ترسم بہ گردن در اندازمش

گر او را کمندے بود ماہ گیر، مرا ہم کمندے بود شاہ گیر

گر او ناوک اندازد ، زور دست مرا غمزۂ ناوک انداز ہست،

سکندر بہ حیوان خطائی رود من اینجا سکندر کجائی رود

اگر راہ ظلمات نی بایدش سر زلف من راہ بنمایدش

لب من کہ یاقوت رخشان در داست بسے چشمۂ آب حیوان در داست

رزمیہ | شاہنامہ کو سو برس سے اوپر ہو چکے تھے ، اس عرصہ میں زبان میں ، بڑا انقلاب ، ہو گیا تہا ۔ سینکڑوں الفاظ بالکل تروک ہو گئے تھے ، اکثر الفاظ ، حروف زائد گرا کر خوبصورت قالب میں ڈھل چکے تھے ، عربی کے نئے نئے مانوس الفاظ داخل ہوتے جاتے تھے ، زبان کے انقلاب کے ساتھ مضامین کی طرز ادا کی روش بھی بدل گئی تھی ، استعارات و تشبیہات میں لطافت و نزاکت آگئی تھی طبیعتیں مضمون آفرینی کی طرف مائل ہوتی جاتی تھیں ان باتوں نے شاہنامہ کی عالمگیر آواز دہیمی پڑنے لگی تھی ، قصے زبانوں پر رہ گئے تھے لیکن اشعار بھولتے جاتے تھے اس بنا پر قوم کے شجاعانہ جذبات کے زندہ رکھنے کے لیئے ایک دوسرے شاہنامہ کی ضرورت تہی جو سکندر نامہ کے قالب میں نمودار ہوا ،

سکندر نامہ کے ہیرو کے انتخاب میں غلطی ہوئی لیکن مجبوری تہی ، قومی تاریخ فردوسی کے حصہ میں آچکی تہی ، رسول اللہؐ کے غزوات اور خلفاء کے معرکوں میں شاعری کی گنجائش کم تہی کیونکہ اصلیت سے بال برابر بھی ہٹتے تو مذہبی عدالت میں مجرم قرار پاتے ،

اور شاعری کے لئے کچھ نہ کچھ آب و رنگ چڑھانا ضرور تھا خود کہتے ہیں،

چو نظم گزارش بود راہ گیر ... غلط کردن رہ بود ناگزیر،،

مرا کار با نغز گفتاریست، ... ہمہ کار من خود غلط کاریست

وگر بے شگفتے، گزاری سخن،، ... ندارد نوی، نامہ ہائے کہن

اب اس کے سوا چارہ نہ تھا، کہ کسی مشہور کشورستان کی داستان اختیار کی جائے اس حیثیت سے سکندر کا کوئی ہمسر نہ تھا، ایشیا اور یورپ دونوں اس کو مانتے تھے البتہ افسوس ہے کہ نظامی نے مذہب ملا دیا، یعنی ذوالقرنین کو سکندر بنا دیا جو صریح قرآن مجید کے خلاف ہے سکندر نامہ میں اگرچہ شاعری کے محاسن بہت زیادہ ہیں، باایں ہمہ شاہنامہ کے برابر مقبول نہ ہو سکا، اس کے خاص اسباب ہیں،

۱۔ سکندر نامہ میں اکثر جگہ تعقید ہے، جو بات کہنا چاہتے ہیں اس طرح صاف صاف نہیں کہہ سکتے کہ زبان سے نکلنے کے ساتھ دل میں اتر جائے، یہی وجہ ہے کہ کثرت سے شرحیں اور حاشیہ لکھے گئے، اس پر بھی بہت سے مقالات لاینحل رہ گئے اور اکثر جگہ زبردستی مطلب پہنانا پڑا

۲۔ کتاب کا ہیرو ایک غیر شخص یعنی سکندر، اس لئے ایرانیوں کو اس کے واقعات سے ایسی دلچسپی اور محبت نہیں ہو سکتی تھی جو خود اپنی قوم سے ہو سکتی تھی، شاہنامہ کے مقبول ہونیکا بڑا اگر یہ تھا کہ خود اپنی قوم کی داستان تھی۔

۳۔ تمام کتاب میں صرف ایک شخص کی داستان ہے، پڑھنے والا اکتا اکتا جاتا ہے بخلاف اس کے شاہنامہ میں سینکڑوں اشخاص کے واقعات اور گوناگون حالات ہیں ایک غذا سے جی گھبرائے تو اور طرح طرح کے الوان نعمت موجود ہیں،

۴۔ تمام کتاب میں کوئی دردانگیز اور عبرت خیز واقعہ نہیں ہے، بخلاف اس کے شاہنامہ میں رستم و سہراب، منیژہ و بیژن، جمشید و ضحاک، کی داستانیں نہایت پر اثر اور حسرت آمیز ہیں باوجود ان تمام باتوں کے سکندر نامہ نے جو قبولیت حاصل کی، تعجب انگیز ہے شاہنامہ کے سو ڈیڑھ سو ہی برس بعد سکندر نامہ لکھا گیا اور شہرت عام پا گیا، سکندر نامہ کو آج چھ سو برس کا زمانہ گزر چکا، اس مدت میں اس طرز پر بیسیوں کتابیں لکھی گئیں، لیکن ان کا نام بھی،

کوئی نہیں جانتا، سکندرنامہ جامی آئینہ اسکندری، ہمای ہمایوں، اکبرنامہ سلیمان نامہ[1] ان کا نام کس نے سنا ہے؟

رزمیہ نظم کا یہ اصول ہے، کہ پہلے حربی باجون کے بجنے دار و گیر، ہنگامہ، شور و غل اور عام ہل چل کا نقشہ کھینچا جائے، پھر فوجون کی حملہ آوری، زور و شور، جوش و خروش کا ذکر کیا جائے۔ پھر آلات جنگ یعنی تیر و کمان، تیغ و سنان، نیزہ و خنجر کی کارستانیان دکھائی جائیں پھر ایک ایک پہلوان کا معرکہ میں آنا، رجز پڑھنا، مبارز طلب ہونا، حریف سے لڑنا، داؤن پیچ کرنا، مرنا یا مارنا، ان باتون کا ذکر کیا جائے، اور اس طرح بیان کیا جائے کہ میدان جنگ کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے، سکندرنامہ میں یہ سب باتیں ہیں اور کمال کے درجہ پر ہیں

حربی باجون کا ذکر،

در آمد بہ غریدن آواز کوس — فلک بر دہان دہل داد بوس
ز غریدن کوس خالی دماغ — زمین لرزہ افتاد در کوہ و راغ
چنان آمد از نائے ترکی خروش — کہ از نائے ترکان بر آورد جوش
بر آوردہ خرمہرہ آوا ز شیر — دماغ از دم گاودم (گلا) (ترنا) گشت سیر
طراقے کہ از مقرعہ (ناقوس) خواستہ — برون رفت زین طاق آراستہ
ز بیم چقاچق (ترناقے کی آواز) (تازیانہ) کہ آمد ز تیر — کفن گشت در زیر جوشن حریر
روارو بر آمد ز راہ نبرد — ہزاہز در آمد بہ مردان نبرد
بجنبش در آمد دو دریائے خون — شد از موج آتش زمین لالہ گون
زمین گفتی از یک دگر بر درید — سرافیل صور قیامت دمید
یکے گفت ہوی دوگر گفت ہان — بر آورد سر ہای و ہوی از جہان
جگر تاب شد نعرہ ہائے بلند — گلو گیر شد حلقہائے کمند
سپاہ از دو جانب صف آراستہ — زمین آسمان وار برخاستہ
ز سم ستوران دران پہن دشت — زمین شش شد و آسمان گشت ہشت

---

[1] یہ ضب مثنویاں سکندرنامہ کی طرز پر اور اُس کے جواب میں لکھی گئی ہے،

فرو رفت و بر رفت روز نبرد ‌‌ ‌ زمین آسمان، آسمان شد زمین

ز بس گرد بر تارک و ترک و زین ‌ ‌ کہ از نعل اسپان برآمد شرار،

چنان گرم گشت آتش کارزار ‌ ‌ چو گوگرد سُرخ آتشین گشت خاک

ز بس خون کہ گرد آمد اندر مغاک، ‌ ‌ گرہ در گلوی هژبران شکست

ز غرّیدن ژندہ پیلان مست، ‌ ‌ غباری شد از جائے برخاستہ

زمین کو بساطے بد آراستہ ‌ ‌ تن کوہ لرزید بر خویشتن، ؎

ز پولاد پیکان پیکر شکن، ‌ ‌ محابا شدہ مهر برخاستہ

پدر با پسر کین برآراستہ ‌ ‌ نجات از جہان خیمہ بیرون زدہ

ستون علم جامہ در خوں زدہ ‌ ‌ کہ در غار او اژدہائے بنبود

ز شمشیر برگشتہ جائے نبود ‌ ‌ بینا سود بر یک زمین یک مان

نہنگ خدنگ از کمین و کمان ‌ ‌ دہن باز کردہ بہ تاراج گنج

کمند اژدہائے مسلسل شکنج ‌ ‌ نفس را نہ راہ بردن تاختن،

ز بس بر دہن تا بخ انداختن، ‌ ‌ ز گوپالہا کوہ گشتہ مغاک

ز نیزہ نیستان شدی اوی خاک ‌ ‌ گرز سپر بر سپر بستہ چون لالہ زار

سنان در سنان بستہ چون نوک خار ‌ ‌ بہ گردن کشی گردہ گردن فراز،

نہنگان شمشیر جوشن گداز ؎ ‌ ‌ شتابان شدہ نبر جون مار گنج

بہ ابرو در آمد کمان را شکنج ‌ ‌ یکے شیر برطاس[1] رویین کلاہ

ز روسی در آمد بہ ناوردگاہ، ‌ ‌ بہ نام آوری خویشتن را سرود

مبارز طلب کرد و جولان نمود ‌ ‌ بہ برطاسی من شود پشت گرم

کہ برطاسیان را درین خام چرم ‌ ‌ نہنگان خورم بر لب جوئبار

پلنگان درم بر سر کوہسار ‌ ‌ بہ حملہ درم پہلو نرہ گور، ،

در شتم بہ چنگال و سختم بزور

[1] برطاس ایک مقام کا نام ہے،

سنانم ز پہلو در آید بہ ناف ‏ ‏ ‏ ‏ دروغے نمی گویم اینک مصاف،
ہمہ خون خام است نوشیدنم ‏ ‏ ‏ ‏ ہمہ چرم خام ست پوشیدنم
شہ گردنان شاہ گردون گرائے ‏ ‏ ‏ ‏ ز پرکار موکب تہی کرد جائے ،
زدہ بر میان (پہلوان) گوہر آگیں کمر ‏ ‏ ‏ ‏ در آورد پولاد ہندی بہ سر،
بہ تن بر یکے آسمان گون زرہ ‏ ‏ ‏ ‏ چو مرغول رنگی گرہ در گرہ ،،
بمانی یکے تیغ زہراب جوشش ‏ ‏ ‏ ‏ حمائل فروہشتہ از طرف دوش
بہ کبک دری چون در آید عقاب ‏ ‏ ‏ ‏ چگونہ جہد بر زمین آفتاب
از ان تیز تر خسرو پیل تن ، ‏ ‏ ‏ ‏ بہ تندی در آمد بہ آن اہرمن
بزد بانگ بروی کہ اے زاغ پیر ‏ ‏ ‏ ‏ عقاب جوان ، آمد آرام گیر
نخستین بزد بے کہ تدبیر کرد ‏ ‏ ‏ ‏ بر آن تیرہ دل بارش تیر کرد
چو وز جسم رانا مد از تیر باک ، ‏ ‏ ‏ ‏ زننده شد از تیر خود خشمناک
یکے (بدذات) خشت پولاد الماس رنگ ، ‏ ‏ ‏ ‏ بر آورد و زد بر دلاور ، نہنگ ،
ز سختی کہ تن را بہم در فشرد ‏ ‏ ‏ ‏ بر آن خارہ شد پولاد خرد
دگر خشتے انداخت زان تیز تر ، ‏ ‏ ‏ ‏ بر آن کشتی (پنجر) ہم نہ شد کارگر
چو دانست کان دیو آہن سرشت ‏ ‏ ‏ ‏ نیندیشہ از حربہ تیر و خشت
نہنگ جانسوز را بر کشید ، ، ‏ ‏ ‏ ‏ سوئے اژدہائے دمندہ دوید
زدش (تلوار) بر کتف گاہ و بردش ز جائے ‏ ‏ ‏ ‏ چنان کان ستمگر در آمد ز جائے

لیکن انصاف یہ ہے کہ نظامی، فردوسی کی طرح ، خاص لڑائی کے داؤں پیچ اور فنون ، جنگ کی تصویر اچھی طرح نہیں کھینچ سکتے .

نظامی اور فردوسی کا موازنہ اگرچہ انصاف یہ ہے کہ نظامی فردوسی کے ہمپایہ نہیں ہیں . تھوڑا سا شیریں پانی لیکر ، بار بار چھانا جائے ، مقطر کیا جائے ، اور پھر کسی خوشرنگ خوشنما گلاس میں رکھا جائے تو اس کی شیرینی ، خوشگواری ، صفائی اور خوشنمائی میں کیا شک ہے لیکن ایک صاف شیریں قدرتی چشمہ ، جو پہاڑ کے دامن سے نکل کر بہتا چلا جاتا ہے

اُس سے کیا نسبت، تاہم دونوں کا انداز کلام، دکھانے کے لیئے ہم چند مشترک عنوانوں کے اشعار نقل کرتے ہیں، اور اُنکا فرق دکھاتے ہیں،

سکندر کا قاصد بنکر نوشابہ کے دربار میں جانا، سکندر نامہ کی مشہور داستان ہی یہی، قصہ شاہ نامہ میں بھی ہے، فرق یہ ہے کہ شاہنامہ میں نوشابہ کے بجائے قیدافہ کا نام ہے جو اندلس کا بادشاہ تھا، باقی حالات مشترک ہیں، یعنی بادشاہ نے سکندر پہچان لیا ہے اور اُس سے اُس کا اظہار کیا ہے، سکندر انکار کرتا ہے، بادشاہ اُس کی تصویر منگا کر سامنے رکھ دیتا ہے کہ اپنے چہرہ سے ملالو، سکندر سخت مضطر ہوتا ہے بادشاہ اُس کو تسلی دیتا ہے کہ یہ بھی آپ ہی کا گھر ہے،

فردوسی

چو قیدافہ را دید بر تخت عاج
زیاقوت و پیروزہ بر سرش تاج
ز زربفت پوشیدہ چینی قبائے
فراں پرستندہ پیشش بہ پائے
برخ شاہ تابان بہ کردار ہور
نشستنگہش را ستون ہا بلور
پرستندہ با طوق و با گوشوار
بہ پا اندران گلشن زر نگار
فزادان بہ ہسان نام یزدان بخواند
نشستنگہے دید، قیصر کہ نیز
نیامد ور ار دوم و ایران بہ چیز
پدر مہتر اندر زمین داد بوس.
چنان چون بود، مردم چاپلوس
دراد ید قیدافہ بشناختش،

نظامی

بہ آراست نوشابہ درگاہ را
بزر در گرفت آہنسی راہ را
پریچہرگان را بصد گونہ زیب،
صف اندر صف آراست آں دلفریب،
برآمود گوہر بہ مشکین کمند
فرو ہشت بر گوہر آگین پرند،
براورنگ شاہنشہی بر نشست
بفرمود کابین بجائے آورند
فرستادہ را در سرائے آورند
فرستادہ اندر آمد دلیر
سوئے تخت شاہ چون نشانندہ شیر
کمر بند شمشیر بکشاد باز
برسم رسولان نہ بردش نماز
بہ ہسائی دران قصر بینندہ دید

بہ پرسید بسیار و بنواختش
بہ مے خوردن اندر، گران مایہ شاہ
فزون کرد، سوی سکندر نگاہ
بہ گنجور گفت آن درخشان حریر
بنشتہ بر و صورت دلپذیر
بہ پیش من آور چنان ہم کہ ہست
بہ تندی بر و ہیچ پسائی دست
بیاور گنجور و بنہاد پیش،
چو دیدش نگہ کرد زاندازہ بیش
بہ چہر سکندر نکو بنگرید،
ازان صورت او رجدائی ندید
بدانست قیدافہ کاو قیصر است
بران لشکر نامور مہتر است،
بدو گفت کاے مرد گستردہ کام
بیا تا چہ دادت سکندر پیام
چنین داد پاسخ کہ شاہ جہان

فردوسی

سخن گفت با من میان مہان
کہ قیدافہ پاک دل را بگوئے
کہ جز راستی در زمانہ مجوئے،
مگر سر نہ پیچی ز فرمان من
نگہدار بیدار پیمان من

بہشتی سرائے فروبندہ دید،
زبس گوہر بن گوش گردن کشان
شدہ چشم بیندہ گوہرفشان
ز تابندہ یاقوت درخشندہ نعل
خرامندہ را آتشین گشت نعل
مگر کان و دریا بہم تاختند
ہمہ گوہر اینجا بر انداختند
زن زیرک از سیرت شان او،
دران داوری شد ہراسان او
کہ این کاروان مرد آہستہ رائے
چرا شرط خدمت نیارد بجائے
ز سر تا قدم دید در شہریار
زر پختہ را بر محک ز دعیار
چو نیکو نگہ کرد بشناختش،
بہ تخت خود آرام گہ ساختش
سکندر بہ رسم فرستادگان،

نظامی

نگہ داشت آئین آزادگان،
پس آنکہ گذارش گرفت از پیام
کہ شاہ جہان داور نیکنام
چنین گفت کاے داور نامجوی
ز نام آوران جہان بردہ گوی

ط۔ ن: بے احتیاطی سے ہاتھ نہ لگانا،

دگر هیچ تاب اندر آری بدل
بیارم یکی لشکری دل گسل
برآرم دمار از همه لشکرت
بآتش بسوزم همه کشورت
بدو گفت کای زاده فیلقوس
همت رزم بزم ست و هم نعم و بوس
دلیر آمدی پیش من بادخواه
ندانم ترا اینکه بنمود راه
سکندر ز گفتار او گشت زرد
روان پرزدر دو رخان لاجورد
بدو گفت کای مهتر پرخرد
چنین گفته از تو نه اندر خورد،
منم بیطقون کد خدائے جهان
جز این بچه فیلقوسم مخوان
بدو گفت قیدافه کز داوری
مبست را پرداز کا سکندری
بیاورد و بنهاد پیشش حریر
نوشته بر و صورتی دلپذیر
که گر هیچ جنبش بدی در نگار
نبودی جز اسکندر شهریار
مرا خواندی و خود بدام آمدی
جهاندار گفت ای سزاوار تخت

چه افتاد کز ما عنان تافتی،،
سوی مانو یاب روز نشتافتی،
ز بونی چه دیدی که توسن شدی
چه بیداد کردم که دشمن شدی
چو من ره درین مملک ساختم
برو سایه دولت انداختم
کمر چون نه بستی ببارگاه من
چرا رو بپیچیدی از راه من
به پاسخ نمودن زن هوشمند
ز یاقوت سربسته بکشاد بند
که صد آفرین بر تو شاه دلیر
که پیغام خود خود گزاری چو شیر
چنا آیدم در دل ای پهلوان
که با این سر و سایه خسروان
میانجی نه شاه آزاده،
فرستنده نه فرستاده
پیام تو چون تیغ گردن زند
گر از مهره کین تیغ بر من زند،
ز تیغ سکندر چه رانی سخن
سکندر توئی چاره خویش کن،
تفکر بحیثه تر کن که خام آمدی
بژوهش مکن جز به فرمان بخت

نظامی

سکندر محیط است و من جوی آب ——— نہ تہمت ساید بر آفتاب ،

بدرگاہ او پیش ازان ست مرد ——— کہ او را قدم رنجہ بایست کرد

دگر بار نوشابہ ہوشمند ، ——— زنوشین لب خویش بکشاد بند

نظامی

کز ین بیش بر دلفریبی مباش ——— بہ ناراستی بگر کیبی مباش

پیامت بزرگ است و نامت بزرگ ——— نہفتہ مکن شیر در چرم گرگ ،

فرستادہ را نیست این دسترس ——— کہ با ما بہ تندی بر آرد نفس ،

نہ جباری خویش را کم کند ، ——— نہ در پیش من پشت را خم کند

جوابش چنین داد شاہِ دلیر ——— کہ نا بد رز روباہ پیغام شیر ،

اگر من چہ چشم تو نام آدرم ، ——— سکندر نیم زد بپیام آدزم

اگر در میانجی دلیر آمدم ، ——— نہ از رو بہ از نزد شیر آمدم

بر آشفت نوشابہ زان شیر دل ——— کہ پوشید خورشید راز پر گل ،

بفرمود کاردکنیزے دوان ، ——— حریرے بروپیکرِ خسروان ،

یکے گوشہ از شقۂ آن حریر ، ——— بدو داد کین نقش بر دست گیر

بہ بین تا نشانِ رُخ کیست این ——— درین کارگاہ از پے چیست این

اگر پیکر تست چندین مکوش ، ——— بہ ابروی خود آسمان را مپوش

سکندر بفرمان او ساز کرد ، ——— حریر نوشتہ زہم باز کرد ،،

بعینہ در و صورت خویش دید ——— ولایت بدست بد اندیش دید

(۱) سب سے پہلے اِس پر نظر ڈالو کہ جہان ایک ہی خیال، ایک ہی واقعہ ایک ہی بات کو دونوں نے لکھا ہے وہان بھی، بندش الفاظ کے لحاظ سے کس قدر فرق ہے نظامی کی ترکیبوں کی چستی، قافیوں کی بلندی، فقروں کے در و بست، الفاظ کے شکوہ کا یہ انداز ہے کہ گویا

شیر گونج رہا ہے، اس کے مقابلہ میں فردوسی کا کلام ایسا معلوم ہوتا ہے، جس طرح کوئی پراتم بڈھا پیرانہ لہجہ میں ٹھہر ٹھہر کر باتیں کرتا ہے، ان اشعار کا مقابلہ کرو،

فردوسی

ز زربفت پوشیدہ چینی قبائے
فراوان پرستندہ پیشش بپائے
برہمنز اندر زمین داد بوس
چنان چون بود مردم چاپلوس
سکندر بدان در شگفتے بماند
فراوان نہان نام یزدان بخواند
بہ مے خوردن اندر گران مایہ شاہ
فزون کرد سوئے سکندر نگاہ
بہ گنجور گفت آن درخشان حریر
بنشتہ بر و صورتے دلپذیر
کہ قیدافۂ پاک دل را بگوئے
کہ جز راستی در زمانہ مجوئے،
دلیر آمدی پیش من باز خواہ،
ندانم ترا اینکہ بنمود راہ
بدو گفت قیدافہ کز داوری،
بہ بت را بپرداز کا سکندری
سکندر ز گفتار او گشت زرد
روان پر ز درد و رخان لاجورد،
منم بیطقون کہ خدائے جہان،
جز این بچۂ فیلقوسم مخوان

نظامی

پری چہرگان را بصد گونہ زیب
صف اندر صف آراست آن دلفریب
سکندر بہ رسم فرستادگان،
نگہ داشت آئین آزادگان،
بہانے دران قصر زیبندہ دید
بہشتی سرائے فریبندہ دید
ز سر تا قدم دید در شہریار،
ز ریختہ را بر محک زد عیار
یکے گوشہ از شقۂ آن حریر،
بدو داد کین نقش بر دست گیر
چنین گفت کاے داور نامجوی
ز نام آوران جہان بردہ گوے
کہ صد آفرین بر تو شاہ دلیر
کہ پیغام خود خود گزاری چو شیر
مبادا کہ نہ شاہ آزادۂ،
فرستندۂ نہ فرستادۂ
بترسید و شد رنگ در رویش چو کاہ
بدا رائے خود برد، خود را پناہ
سکندر محیط است و من جوی آب
منہ تہمت سایہ بر آفتاب

(۲) انہی اشعار میں بلاغت کا فرق دیکھو،

نظامی	فردوسی
صف اندر صف آراست آن دلفریب	فرادن پرستندہ پیشش بپائے

فردوسی کے بیان سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ غلامون اور لونڈیونکا ہجوم تھا اور سب کھڑے تھے، لیکن نظامی کے بیان سے اُن کا باقاعدہ صف بصف ایستادہ ہونا بھی ثابت ہوتا ہے "آراست" کے لفظ نے اِس خصوصیت کو روشن اور خوشنما کر دیا ہے،

نظامی	فردوسی
سکندر بہ رسم فرستادگان	برمهتر اندر زمین داد بوس
نگہ داشت آئین آزادگان،	چنان چون بود مردم چاپلوس

فردوسی نے سکندر کی شان کا کچھ لحاظ نہیں رکھا، زمین چومنا خوشامدیون کا شیوہ ہے فردوسی کو اس پر بھی قناعت نہیں، بلکہ کھول کر کہتا ہے کہ سکندر نے اس طرح زمین، چومی جس طرح خوشامدی چوما کرتے ہیں، نظامی نے اگرچہ "برسم فرستادگان" کے لفظ سے ظاہر کر دیا ہے کہ سکندر نے قاصدون کے طریق اور آئین کو ملحوظ رکھا تھا۔ تاہم دوسرے مصرع میں دفع دخل بھی کر دیا کہ اس حالت میں بھی اپنی آن بان نہیں چھوڑی،

نظامی	فردوسی
نہانے دران قصر زیبندہ دید	سکندر بدان در شگفتی بماند
بہشتی سرائے فریبندہ دید	فرادان نہان نام یزدان بخواند

فردوسی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سکندر بالکل ندیدہ تھا، دربار کے ٹھاٹ کو دیکھکر مبہوت ہو گیا تھا، اور بار بار خدا کا نام لیتا تھا، نظامی نے مکان اور ایوان کی عمدگی اور خوبی کا اثر سکندر پر طاری کرنا چاہا ہے، لیکن اسی قدر کہ وہ کنکھیوں سے دیکھتا جاتا تھا،

نظامی	فردوسی
ز سرتا قدم دید در شہریار	فزون کرد سوے سکندر نگاہ

فزون نگاہ کردن، سے صرف اسقدر ثابت ہوتا ہے کہ قیدافہ سکندر کو بڑی تیز نگ

دیکھتا رہا ممکن ہے کہ صرف چہرہ پر ہی دیر تک اس کی نظر جمی رہی، لیکن صرف چہرہ کی مشابہت پہچاننے کیلئے کافی نہیں، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے چہرے ملتے جلتے ہوتے ہیں لیکن اور اعضا میں فرق ہوتا ہے، بخلاف اسکے نظامی کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ نوشابہ نے سکندر کو سر سے پانون تک دیکھا یعنی نہ صرف چہرہ بلکہ تمام اعضا اور ذیل ڈول رنگ روپ سج و بج کو بھی دیکھا جس سے صاف ثابت ہوگیا کہ یہ سکندر ہے،

نظامی	فردوسی
چنیں گفت کاے داور ناجوی،	کہ قیدافہ پاک دل را بگوے،
زنام آوران جہان بردہ گوی،	کہ جز راستی در زمانہ مجوے،

قاصد کا بادشاہ کے دربار مین بادشاہ کا نام لینا، اور پھر فوراً تنبیہ اور نصیحت شروع کر دینا، دستور کے خلاف ہے، اس لیئے نظامی نے نام نہیں لیا بلکہ داور ناجو کے لفظ سے خطاب کیا اور اس کے ساتھ مدحیہ الفاظ اضافہ کیے،

نظامی	فردوسی
کہ صد آفرین بر تو شاہ دلیر	دلیر آمدی پیش من باژ خواہ،
کہ پیغام خود خود گزاری چو شیر	ندانم ترا این کہ بنمود راہ،

فردوسی نے اس بات کو کہ قیدافہ نے سکندر کو پہچان لیا نہایت بے مزہ طریقے سے بیان کر دیا ہے، اس کے ساتھ یہ الفاظ کہ معلوم نہیں کس نے تم کو یہ طریقہ سکھایا، اور بھی بد تہذیبی ہے، بخلاف اسکے نظامی اسی بات کو اس طرح ادا کرتے ہیں، جس سے یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نوشابہ کو یہ ظاہر کرنا مقصود نہیں کہ میں نے آپ کو پہچان لیا بلکہ وہ سکندر کی دلیری اور جرأت کے اثر سے متاثر ہے، اور بے اختیار تعریف کرتی ہے،

نظامی	فردوسی
نبر سید و شد رنگ رویش چو کاہ	سکندر زگفتار او گشت زرد
بد ارائے خود برد خود را پناہ	روان پر ز درد و رخان لاجورد

اس قدر مضمون دونون کے ہان مشترک ہے کہ جب سکندر کو معلوم ہوا کہ بادشاہ نے

اُس کو پہچان لیا، تو وہ ڈرا اور متردد ہوا، لیکن فردوسی نے اِس کے ڈرنے کو اس قدر حد سے بڑھا دیا جو سکندر کی شان سے بالکل بعید ہے، روان پُر زور دو رخان لاجورد، نظامی کے، بیان سے بھی اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ سکندر کا رنگ زرد پڑ گیا۔ اور دلمیں خدا سے دعا مانگی، کہ اِس خطرہ سے بچ جائے، لیکن اتنا ہی بدحواس نہیں ہوا کہ دلمیں ٹمیں اُٹھنے لگی، فردوسی نے پہلے مصرع میں سکندر کا زرد پڑ جانا بیان کر دیا تھا، لیکن اس پر تسلی نہیں ہوئی، اور دوسرے مصرع میں پھر کہنا پڑا، "رخان لاجورد"

(۳) اب عام طرح پر نظر ڈالو، جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے۔ تو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ بیان کرنے والا واقعہ کا خاکہ (پلین) کیونکر قائم کرتا ہے، اور یہ بلاغت کا پہلا لیکن سب سے ضروری مرحلہ ہے،

فردوسی نے واقعہ کا جو خاکہ قائم کیا ہے اُسمیں متعدد ناموزوں بیان ہیں،

(۱) سکندر قاصد کے لباس میں خوشامدیوں کی طرح دربار میں آداب بجا لاتا ہے،

(۲) دربار کو دیکھ کر مبہوت ہو جاتا ہے گویا کبھی شاہانہ دربار دیکھا ہی نہ تھا،

(۳) حالانکہ سکندر کی رفتار گفتار، طور و طریقہ سے ابھی کوئی بات ظاہر نہیں ہوئی تھی جس سے اِس احتمال کی طرف ذہن جائے، کہ یہ خود سکندر ہے "تاہم بادشاہ کو شبہ ہوتا ہے اور وہ سکندر کے چہرہ کو بہت غور سے دیکھتا ہے، اس لئے نظامی نے اِس کا یہ پہلو نکالا کہ سکندر نے قاصدوں کی طرح سجدہ نہیں کیا تھا، اور پیغام اس شان سے ادا کیا کہ قاصد اس دلیری اور جراُت سے ادا نہیں کر سکتا تھا، اِس حالت میں شبہ پیدا ہونا ضروری تھا، اور شبہ کو اس لئے قوت ہوئی کہ سکندر کی تصویر اُسکی نظر سے گذر چکی تھی،

(۴) قیدافہ نے سکندر کے سامنے ہی تصویر منگا کر دیکھی، حالانکہ جب مخفی طور سے سکندر کو پہچاننا مقصود تھا، تو سکندر کے سامنے تصویر منگوا کر دیکھنا نہ چاہیئے تھا۔

(۵) سکندر جب قاصد کی حیثیت سے پیغام ادا کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آداب شاہی سے ناواقف ہے اول تو بادشاہ کا نام لینا خلاف ادب ہے، اِس کے علاوہ پہلے ہی سخت کلامی شروع کر دینی، نہایت بدتہذیبی ہے،

برآرم دمار از ہمہ لشکرت   بہ آتش بسوزم ہمہ کشورت ،،

(٦) سکندر جب اپنے آپ کو چھپاتا، اور سکندر کا قاصد ہونا ظاہر کرتا ہے تو اُس کو سکندر کا نام بڑی تعظیم و تکریم سے لینا چاہیئے تھا لیکن وہ سکندر کو بچۂ فیلقوس کے خطاب سے یاد کرتا ہے،

رع جز این بچۂ فیلقوس[لہ] مخوان،

اِس کے مقابلہ میں نظامی نے جسطرح اس تمام واقعہ کا خاکہ کھینچا ہے وہ یہ ہے

نوشابہ کو جب معلوم ہوا کہ سکندر کے دربار سے قاصد آتا ہے تو اُس نے بڑے ساز و سامان سے دربار آراستہ کیا، خود بن ٹھن کر ہاتھ میں ترنج لئے ہوئے تخت شاہی پر بیٹھی سامنے پری چہرہ کنیزیں صف باندھ کر کھڑی ہوئیں، پھر سکندر کو طلب کیا، سکندر دربار میں آیا تو آداب شاہی کے موافق کمر بند سے تلوار کھولکر رکھدی لیکن سجدہ نہیں کیا اس موقع پر دربار جو جواہرات سے جگ مگ کر رہا تھا، اس کو نہایت مبالغہ آمیز پیرایہ میں ادا کیا ہے،

زتابندہ یاقوت درخشندہ لعل   خراشندہ را آتشین گشت نعل

مگر کان و دریا بہم تاختند،   ہمہ گوہر آن جا برانداختند

قاصد کے شاہانہ طرز کلام سے نوشابہ کو شبہ تو ہوا کہ یہ خود سکندر ہے، خوب غور سے دیکھا تو یقین ہو گیا، قاصد نے اب پیغام ادا کرنا شروع کیا، کہ شہنشاہ نے کہا ہے کہ ہماری طرف کیا کمی ہوئی جو تم نے بے اعتنائی کی، آج تک تم دربار میں نہ آئے، ہم ان اطراف میں بھی آئے لیکن تم نے ادھر رُخ نہ کیا،

نوشابہ نے کہا کہ آپ کی جرأت پر صد ہزار آفرین ہے کہ آپ اپنا پیغام ادا کرتے ہیں آپ کی باتیں تلوار کا کاٹ کرتی ہیں، یہ تلوار اور کس کی مجال ہے کہ مجھ پر چلائے سکندر انکار کرتا ہے کہ میں سکندر نہیں، پھر اُس کی نہایت عمدہ توجیہیں بیان کرتا ہے کہ کجا سکندر، کجا میں سکندر کے دربار میں آدمیوں کی کیا کمی ہے کہ خود قاصد بنکر آتا، اس موقع پر نوشابہ و سکندر کے سوال و جواب کو نہایت بلیغ انداز میں طول دیا ہے، آخر نوشابہ جھلا کر سکندر کی تصویر منگوا کر

لہ اس بیان میں فردوسی اور نظامی کے اشعار مکرر آگئے ہیں لیکن اس بحث کو اچھی طرح ذہن نشین کرنیکے لئے ایسا کرنا ضرور تھا

اُس کو دکھلاتی ہے، اور سکندر لاجواب ہو کر رہ جاتا ہے، اس کے ساتھ خطرہ کے خیال سے اُسکے چہرہ کی رنگت زرد پڑ جاتی ہے،

اِس تمام سلسلہ میں کہیں سے کوئی کسر نہیں، تمام واقعات اصلیت اور نیچر کے مطابق ہیں، اس کے ساتھ فصاحت و بلاغت، تشبیہات اور استعارات کی ندرت اور لطافت الفاظ کی شان و شکوہ، اِن تمام باتون نے اِس داستان کو سحرِ سامری بنا دیا ہے،

نظامی اور فردوسی ہیں یہ فرق اور بہت سے موقعون پر نظر آتا ہے، لیکن طول کے لحاظ سے ہم قلم انداز کرتے ہیں۔ سکندر و دارا کی گفتگو اوپر گذر چکی ہے، اس کو اس موقع پر ایک بار اور دیکھ لینا چاہیئے، اِن سب باتون پر بھی فردوسی فردوسی ہی اور نظامی نظامی۔

تمت

Author Shib
Title Savā
C11p